ترجمه و شرح

قصيدهٔ غوثيه

حضرت سائين عبدالرزاق نقشبندي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطب الاقطاب فرد الاحباب الغوث الاعظم شیخ شیوخ العالم

شیخ السلام محی الدین عبدالقادر الحسنی الحسینی

الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مشہور و معروف قصیدہ غوثیہ کی شرح

المعروف

قصیدہ غوثیہ

معہ

متن و ترجمہ و شرح

ناشر

حضرت سائیں عبدالرزاق نقشبندی مجددی غالقی

ساکن دیپالپور ضلع ساہیوال . پنجاب پاکستان

مطبوعہ مصور پریس حیدرآباد - فروری سنہ ۱۹۷۲ء مطابق ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۱ھ

حضرت غوث اعظم کی ولادت

آپ کا نام عبدالقادر کنیت ابو محمد اور مشہور محی الدین یا غوث اعظم آپ ۴۷۰ھ ہجری میں بمقام جیلان پیدا ہوئے عمر شریف نوے سال کی ہوئی اور آپ ۵۶۱ھ میں بمقام بغداد انتقال فرمایا آپ اولیائے اہل بیت اور سادات حسینیہ میں بہت مشہور بزرگ ہیں آپ کو امام المسلمین امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ محض رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے اور مادری سلسلہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت غوث اعظم کے ارشادات

حضرت غوث الاعظم شاہ جیلاں رحمتہ اللہ علیہ اپنے صاحبزادہ کو وصیت فرماتے ہیں اس کا مطالعہ ہر مسلمان اور خصوصیت سے ان لوگوں کو بہت ضروری ہے جو سلسلہ میں مرید ہیں اور حضور سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔

وصیت آپ فرماتے ہیں کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں

کہ خدا کا تقویٰ و طاعت اختیار کرو اور ظاہری شریعت کی پابندی لازمی رکھو اور سینہ کو خواہشات سے محفوظ رکھو اور نفس میں جوانمردی رکھو اور کشادہ روئے ہو اور جو چیز عطا کرنے کے قابل ہے اسے عطا کرتے رہو اور ایذا رسانی سے باز رہو اور آزار خلق و آداب درویشی کا تحمل کرتے رہو اور حرمت مشائخ پر نگاہ رکھو اور برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو اور چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کر لو اور ذخیرہ مال فراہم کرنے سے بچو۔

حقیقت فقر و غنا فقر کی حقیقت یوں فرمائی کہ اپنے جیسی کسی ہستی کا محتاج نہ ہو یعنی صرف خدا سے واسطہ رہے اور مخلوقات سے مطلق نہ رہے اور غنا کے لئے فرمایا کہ غنا یہ ہے کہ جو ہستی تجھ جیسی ہے اس سے بے پرواہ ہو جا۔

تصوف کس طرح حاصل ہوتا ہے فرمایا بحث و مباحثہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ محبوب اور دنیا کی نعمتوں کے چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

تصوف کی بنیاد فرمایا تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جس میں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی اولوالعزم

ہو اہے ان کے آثار قدیم کی پیروی طالب تصوف کے لئے ضروری ہے۔

۱- سخاوت حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر
۲- رضا حضرت اسحاق علیہ السلام پر
۳- صبر۔ حضرت ایوب علیہ السلام پر
۴- مناجات۔ حضرت زکریا علیہ السلام پر
۵- غربت۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر۔
۶- خرقہ پوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر
۷- سیاحت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔
۸- فقر سیدنا و نبینا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر
(المقالۃ الخامسۃ والسبعون)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سَقَانِي الحُبُّ كَاسَاتِ الوِصَالِ صفحه ١٩

فَقُلْتُ لِخَمْرَتِي نَحْوِي تَعَالِي

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِي فِي كُؤُوسٍ ٢

فَهِمْتُ بِسَكْرَتِي بَيْنَ المَوَالِ

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الأَقْطَابِ لُمُّوا ٣

بِحَالِي وَادْخُلُوا أَنْتُمْ رِجَالِي

وَهِمُّوا وَاشْرَبُوا أَنْتُمْ جُنُودِي ٣

فَسَاقِي القَوْمِ بِالوَافِي مَلَالِي

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ
وَلَانِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ
مَّقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَّازَالَ عَالِ

اَنَافِیْ حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

اَنَا الْبَازِیُّ اَشْهَبُ کُلِّ شَیْخٍ
وَمَنْ ذَافِی الرِّجَالِ اُعْطِیْ مِثَالِیْ

کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ
وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

وَ اَطْلَعَنِی عَلٰی سِرٍّ قَدِیمٍ ٥

وَقَلَّدَنِی وَ اَعْطَانِی سُؤَالِی

وَ وَلَّانِی عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا ٥

فَحُکْمِی نَافِذٌ فِی کُلِّ حَالِ

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فِی بِحَارٍ ٥

لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فِی جِبَالٍ ٥

لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فَوْقَ نَارٍ ٥

لَخَمَدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِی

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّي فَوْقَ مَيِّتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلَى تَعَالِي

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ
تَمُرُّ وَتَنْقَضِي اِلَّا اَتَالِي

وَتُخْبِرُنِي بِمَا يَاتِي وَيَجْرِي
وَتُعْلِمُنِي فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِي

مُرِيْدِي هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ
وَافْعَلْ مَا تَشَاءُ فَالْاِسْمُ عَالٍ

مُرِيْدِي لَا تَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّي
عَطَانِي رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِي

مُرِيدِي لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّي ٧٩
عَزُومٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

طُبُولِي فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ ٨٠
وَشَاؤُسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِي

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِي تَحْتَ حُكْمِي ٨١
وَوَقْتِي قَبْلَ قَلْبِي قَدْ صَفَالِي

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ٨٢
كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِ

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَاِنِّي ٨٣
عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

۹۰ ۲۵ دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْبًا
وَنِلْتُ السَّعْدَ مَوْلَى الْمَوَالِيْ

۹۱ ۲۶ رِجَالِيْ فِيْ هَوَاجِرِهِمْ صِيَامٌ
وَفِيْ ظُلَمِ اللَّيَالِيْ كَاللَّآلِيْ

۹۲ ۲۷ أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْدَعْ مُقَامِيْ
وَأَقْدَامِيْ عَلٰى عُنُقِ الرِّجَالِ

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِيْ
وَجَدِّيْ صَاحِبُ الْعَيْنِ الْكَمَالِ

أَنَا الْجِيْلِيُّ مُحْيِ الدِّيْنِ اِسْمِيْ
وَأَعْلَامِيْ عَلٰى رَأْسِ الْجِبَالِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج تک سنتے آئے ہیں کہ قصیدۂ غوثیہ قضائے حاجات کے لئے بہت بڑا اثر رکھتا ہے۔ خیر یہ تو ہوگا یا نہ۔ اتنا تو ہے کہ اگر اس کے اصطلاحوں کی واقفیت ہوجائے۔ تو اسکے معانی کی سمجھ پانے سے خدا کی محبّت کا ایک ایسا سبق حاصل ہوتا ہے کہ بھولتا نہیں۔ پتہ لگ جاتا ہے کہ محبّت الٰہی کیا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ کیا۔ محبّ اور محبُوب کے درمیان کیسا واسطہ ہے۔ محبّ محبُوب سے واصل ہوکر کیا پاتا ہے۔ اور دونکو اپنے راستہ پر چلانے کے لئے کیسے بلاتا ہے۔ گویا ظاہری و باطنی اخلاق کا ایک قبالہ اور حقائق و عرفان کا ایک رسالہ ہے۔ اصطلاحی لفظوں میں اظہارِ محبّت۔ عاشقانہ لہجہ میں واعظانہ نصیحت۔ عشق میں وعظ۔ حسن میں عصمت۔

قصیدہ میں کچھ تو اثر جمالی ہے اور کچھ جلالی اس لئے اس کے پڑھنے والے کی طبیعت میں دونوں اثر پیدا ہوجاتے

ہیں۔ مگر بمقتضائے طبیعت و مزاج خوانندہ ایک اثر دوسرے پر غالب آجاتا ہے۔ یا تو وہ ایسا بردبار کہ کوئی کتنی ہی زیادتی کرے ذرہ بھر ملال نہ آئے۔ یا یہ کہ شیروں شاہوں کو چڑی کیلئے بازکی نظر دیکھے۔

کسی پر اعتراض کرنا اور صحیح کو غلط کہہ دینا تو بڑی بات نہیں (جوانمردی یہ ہے کہ صحیح کو صحیح کہے) البتہ احقاقِ حق کے لئے دل ہمدردسے کسی کی غلطی کا اظہار بجا ہے۔ میدانِ انکار بہت فراخ ہے۔ اور دائرۂ اقرار نہایت تنگ۔ بعضوں کو تو بجا ہو یا بیجا اعتراض کا شوق ہوتا ہے۔

۱۔ اپنی کم فہمی کے سبب سے۔ ۲۔ خود پرستی کی وجہ سے۔ وہ اظہارِ حق کے لئے نہیں بلکہ الزام کیلئے کرتے ہیں انکا مدعا بنا بر حسد شہرت و قبولیت ہے۔ فرد

این سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۳۔ ایک اور انکار بھی ہے۔ جو اپنے خلاف اعتقاد ہو۔ اس کو نہیں مانتے۔ یہ اس اصرار کا آدمی ہے کہ لاکھ سمجھاؤ نظیریں دکھاؤ۔ قرآن نکالو۔ حدیث سناؤ۔ پر وہ منہ پھیرے جاتا ہے۔ اور ایک بھی نہیں مانتا۔

قصیدہ غوثیہ میں کوئی بری بات دعویٰ نہیں شرک باللہ یا ترک سنت۔ یا امر بارتکاب کبائر۔ زنا چوری۔ شرابخواری

جھوٹ وغیرہ کا اس میں کوئی حکم نہیں ہے۔ تو اظہارِ عشق و محبتِ الٰہی۔ پھر اُس کے نتائج اور اقرارِ نعمائے ربانی و عطایائے سبحانی یعنی سلسلۂ کلام میں پہلے محبت و عشق اور حصولِ قرب و وصولِ الی اللہ کا اظہار ہے۔ پھر بطریق شفقت و رحمت اپنے ساتھ اوروں کو شامل کرنے کا اصرار۔ پھر واصل باللہ کو مظہر قوتِ تعالیٰ ہونے کا اقرار۔ پھر اس کے اسباب و حصول کا اظہار سوائے اس کے اور کوئی خودی یا ذاتی کمال کی بات نہیں۔ پر وہ سیاہ دل کورِ باطن اپنے اعتقاد بے بنیاد کے پکے مقلد اسے ہاتھ لگانا گوارا نہیں کرتے۔ قصیدہ کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے کہ چکڑالوی جامع بخارے کو نجدی ہدایہ کو۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں اغلاطِ نحوی اور نقائص صرفی کہاں ہیں۔ حالانکہ اس کے پڑھنے پڑھانے والے بڑے بڑے عالم فاضل صرفی نحوی۔ شاعر اور محدث و فقیہ گذرے ہیں۔ اور اب بھی اس کے معتقد بایں صفت موصوف ہزاروں لاکھوں موجود ہیں۔

گذشتہ صدی کے آغاز میں جناب غفران مآب حضرت فاضل شاہ صاحب بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جامع شریعت و طریقت عالم بے بدل تھے۔ اس کی شرح کی ہے۔ اور ہر حرف کے لئے ایسے ایسے نحوی نکات اور حقیقت و معرفت

کے اشارات بیان کئے ہیں۔ کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اُسی زمانہ کے آگے پیچھے حضرت علامۃ الدہر حاوی فروع واصول ولی مولانا غلام رسول صاحب قدس سرہ ساکن ٹانڈا ضلع ہوشیار پور نے قصیدہ شریفہ کی ایک بہت عمدہ شرح لکھی ہے جو باریک قلم کی لکھی ہوئی گلستاں کے حجم کی ہے۔ اس میں آپ نے مضامین کی ترتیب اور مقامات کا ذکر اور تشریح احوال بحسب اصطلاح صوفیۂ کرام بہ بسط تمام کی ہے۔

موجودہ زمانہ میں قصیدہ شریفہ کی ایک شرح جناب مولوی فاضل ابوالبرکات عبدالمالک صاحب شیشیروال ریاست بہاولپور نے لکھی ہے۔ جو بس غنیمت ہے۔ تحقیقِ الفاظ و معانی کی خوب داد دی ہے۔ صرفی نحوی۔ عروضی۔ قرأتی اعتراضوں کو بدلائل عقلی و نقلی اس خوبی سے اٹھایا ہے۔ کہ اگر ترکِ ادبِ اسلاف مانع نہ ہوتا۔ تو میں کہدیتا کہ مذاقِ زمانہ کے مطابق یہ شرح سب سے اچھی ہے۔ فاضل علامہ نے نہایت خلوص و اعتقاد محبت و داد سے قلم اٹھاکر علمی شجاعت۔ اور عملی حمایت کا وہ اثر دکھایا ہے۔ جو اس کلام اور متکلم کے شایانِ شان ہے جزاہ اللہ والبقاء۔

بعض دیگر فضلاء نے بھی اپنی اپنی ارادت و لیاقت سے قصیدہ کی اچھی اچھی شرحیں لکھی ہیں۔ اور بموجودگی ان شروح کے اگرچہ قصیدہ شریفہ کی اور کسی شرح کی حاجت نہ تھی۔ کیونکہ

باتیں سب ہو چکیں۔ اور کچھ کرنے کی باقی نہیں۔ پر حسب طبائع قائلین و سامعین ایک ہی بات یکساں اثر تسلیم پیدا کرنے کے لئے ایک برابر نہ کہہ سکتے ہیں۔ نہ سُن کر سمجھ سکتے ہیں۔ کسی کو کسی طرز سے کہنا آتا ہے اور کسی کو کسی اور طرز سے۔

اِسی طرح کسی کو ایک طرز کا کلام سمجھ میں آتا ہے۔ کسی کو دوسری طرز کا۔ نیز اگر کوئی امیر یا بزرگ پیر پیادہ یا سوار جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اُس کی کوئی چیز راستہ میں گر جائے تو اُس چیز کو اُس کا حاضر باش غلام یا مرید ہی اٹھا کر پکڑا دیگا۔ یا کوئی جواد آدمی کھانا کھا رہا ہے تو وہ تمیں خوان خالی نہ کر دے گا۔ بلکہ اُس کو فضلہ خواروں کی بھی فکر ہے۔

باوجود کم مایگی و بے بضاعتی میری جرأت کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے۔ کہ کسی مجہول لسنہ علّت[۱] معلول نے قصیدہ شریفہ پر یہ سخت اعتراض کیا ہے۔ کہ اس میں جو دعوے اور جتا ہیں۔ وہ تو جناب فخرِ عالم سرورِ بنی آدم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی نہیں کیئے۔

اللہ اکبر! جب کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے۔ "کہ یہ تو کسی حدیث میں نہیں آیا۔ اور یہ کہیں نہیں لکھا" تو حیرت

---

[۱] ہ علّت حرفی ۱۲

ہوتی ہے۔ کہ اس کو اپنے اس دعوے کی کچھ خبر نہیں۔ جو فرعون کی انانیت سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ بیخبری اور بے سمجھی سے اور وں کے صحیح کو غلط لیکن اپنے کسی اور کہیں کے حصر معنوی کو کبھی خیال میں نہیں لاتا۔ اس ایسے شخص نے جس کا سر روئی کا۔ اور پیر لکڑی کے۔ تمام جہان کی کتب حدیث اور روایات کی سیر کر لی ہے۔ ہاں اگر اس طرح کوئی کہے۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ بات نہیں لکھی دیکھی۔ تو کیا اچھی بات ہے۔ گپ کے گناہ سے بچا اور اگر کسی نے لکھی دکھادی۔ تو آئندہ مرض لاعلمی سے شفایاب ہوا۔ بنا براں میں نے شرح قصیدہ طیبہ میں امورِ ذیل کو ملحوظ رکھا ہے:

۱۔ سلسلۂ کلام منقطع نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ یہ ایک مسلسل کلام ہے۔ اور چونکہ مراتب منازل سلوک الی اللہ و مقامات کہ جن کو ایک طالب حق وصول و قرب کے لئے بتدریج طے کرتا ہے۔ اسی ترتیب پر ہیں۔ جوابیات قصیدہ میں درج ہیں۔ اسلئے ترجمہ بھی ایسے عجیب ڈھنگ پر کیا ہے۔ کہ اگر کوئی ذکی الطبع ایک بیت کی شرح کو غور و تامل سے دیکھے (کچھ واقف بھی ہو) تو خاتمہ ترجمہ بیت پر خود بخود اُس کے دل میں آئے گا۔ کہ بلحاظ سلسلہ مضمون اس کے آگے یہی بیت آنا چاہیئے تھا۔ جو ہے۔ اور اس سے قصیدہ شریفہ کا وہ اختلاف بھی جاتا رہا۔ جو مطبوعات دیارِ مختلفہ میں بیتوں کے پس و پیش ہونے کا پایا جاتا ہے۔

۲- ہر ایک فقرہ کی تشریح کی گئی۔ اور ہر ایک لفظ کے معنے لغوی۔ اور اگر وہ موقع پر معنی مجازی یا اصطلاحی سے مستعمل ہے تو تشریح کر دی گئی ہے۔

۳- حتے الوسع آپ کے اُن فقرات کو جن کو معترض نے دعاوی (......) ٹھہرایا ہے۔ فقراتِ حدیث سے لفظاً و معنًے اور آثارِ صحابہ و سلفِ صالحین سے نقلاً صحیحاً مطابق کر دکھایا ہے۔ قول بہ قول عُمل بہ عمل۔ قایاک والجدل۔ نشی جیتم فضلی من بعد

جو بزرگ حضرتِ جناب قطب الاقطاب محبوب سبحانی مطلوبِ ربانی سیدنا عبد القادر جیلانی غوث الثقلین کے خطاب سکری :- کے مخاطب اور فضلہ خوار ہیں۔ اور جنہوں نے تمنائے قلبی پورا کرنے کے لئے شرحاً و بسطاً آپ کے کلام عرفانِ اعلام کے مزے چکھے اور وں کو چکھائے۔ اور جنابِ عالی کے مئے محبت کے جام بھر بھر پیئے اور پلائے ان سے جو رہا انہوں نے ارادتاً اپنی مہربانی سے چھوڑ دیا۔ سو میں نے ان کی فضلہ خواری اور جرعہ نوشی کو حصولِ تمنا کا ذریعہ سمجھا۔ میں اگرچہ دست بدست بحرِ عشق کے ساحل نشینوں کے جام فیض سے قطرہ نوش ہوں۔ لیکن جنابِ قادریہ کے الطافِ کریمانہ کا امیدوار ہوں۔ کہ ہر چند لائق نہیں۔ پر بمجوائے حدیث قدسی اِنَّھُم قَومٌ لَا یَشقٰی جلیسُھُم ان کے ساتھ مجھے بھی شرفِ باریابی عطا فرمایا جاوے۔

الحمدللہ کہ اس خیال پر میں نے بھی اپنی سمجھ کے مطابق یہ چند حروف شرح قصیدہ طیبہ میں لکھکر اپنے ہم مشربوں کی خدمتگزاری کا فخر حاصل کرلیا ہے۔ اور میرے مخلص محقق یا ابو محمد یوسف مردانوی نے جو محبت غوثیہ اور بجا آوری خدمت والہانہ جمال قدوسیہ میں مجھ سے دو قدم آگے ہے بصرف خود اس کو چھپوا کر اپنے دامن ارادت کو جناب غوث الثقلین اور آپکے خدام الی یوم القیام کی خدمت گذاری کی خوشنودی کے پھولوں سے بھر لیا ہے۔ خداوند کریم اپنے پاک بندوں کی برکت سے ہم سب کو جناب غوثیہ کی خدمت میں لوائے مصطفویہ کے نیچے محشور کرے۔ آمین بجاہ محمد و آلہ الطیبین۔ الطاہرین۔

بعض لوگ جب کسی کلام کے معنی نہ سمجھ سکتے ہوں تو وہ اس کے کلام نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا ثبوت مانگتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کا کیا کیا جائے۔ ثبوت نسبتی دو طرح پر ہے۔

۱۔ کوئی اپنا کلام ہونے کا دعوےٰ کرے۔

۲۔ کئی سو سال سے راسخین اور صادقین بلا خلاف اس کلام کو کسی بزرگ کیطرف منسوب کرتے چلے آئے ہوں۔

فقہ اکبر ابو حنیفہ رح ایک وجہ سے تو آپ کی ثابت نہیں۔ البتہ ایک زمانہ انکی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگرچہ بعض محققین مخالف ہیں۔ جامع محمد بن اسمٰعیل بخاری رح صرف شہرت کے لحاظ سے بلا خلاف

اُن کی تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن دوسرا ثبوت نہیں۔ کیونکہ انہوں نے مثل دیگر مصنفین اَنفَقتُ یا مَنَنتُ یا اور کچھ ایسا نہیں کہا۔ جامع کے بعض نسخوں کے شروع میں قال الامام الخ لکھا ہے۔ سو یہ اُنکے کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے۔

غنیۃ الطالبین دو نو وجہ سے جناب عالی کا کلام ثابت نہیں کیونکہ نہ اُن کا اپنا دعویٰ ہے۔ نہ اُس کی آپ سے نسبتِ اتفاقی ہے۔ مگر قصیدۂ شریفیہ کا آپ کا کلام ہونا بہر دو وجہ ثابت ہے۔

اپنا دعویٰ۔ فرماتے ہیں۔ انا الجیلی محی الدین اسمی۔ واعلامی علیٰ راس الجبال پھر زیادہ توضیح کے لئے انا الحسنی والمخدع مقامی واقدامی علیٰ عنق الرجال پھر اس سے بھی زیادہ تر تشریح کے لئے وعبد القادر المشھور اسمی وجدی صاحب العین الکمال

نسبتِ شہرت۔ شہرت کی یہ حالت کہ کسی کو بھی مجالِ مخالفت نہیں۔ خدا پرست صاحبانِ کشف والہام۔ واصل باللہ۔ مقربانِ بارگاہِ احدیت۔ اور علمائے محققین۔ آپ کے مرید حلقہ نشین جو سب عالم فاضل۔ عارف محدث فقیہہ اور اولیاء اللہ تھے۔ اور ان سے فیض لینے والے اور ظاہری باطنی نسبت پانیوالے مثلاً ایک سر کے تو علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی نور الدین ابو الحسن مصنف بہجۃ الاسرار۔ اور وسط میں عارف نامی مولانا عبد الرحمٰن جامی مصنف شرح کافیہ مشہور بشرح مُلّا اور دوسرے سرے پر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے پڑھتے پڑھاتے اور مانتے منواتے چلے آئے ہیں۔ قصیدہ آپ کا قصیدہ ہونا حد تواتر و شہرت سے آگے ہے۔ پھر ایسے دعوے اور شہرت نسبت بلا خلاف پر شک ہو تو بہت سی دینی کتابیں جو مصنفوں کی جلالت قدر اور فور پایہ علمی و عملی پر تسلیم کی جاتی ہیں ان کی طرف نسبت سے گر جائیں گی فافہم و انصف والا فابک۔

ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ جس کتاب سے میں نے کچھ نقل کیا ہے اس کتاب کو کھول کر دیکھیں۔ اگر میری نشان دہی پر نہ پائیں۔ تو جو بھی چاہیں مجھے کہیں۔ میں ہر ایک برے لفظ کا مستحق ہوں۔ لیکن جب وہاں بعینہ لکھا ہوا نکل آیا۔ تو پھر جو مجھے کہنا تھا وہ اس کتاب کے مصنف کو کہیں، اس کو ماریں، کوٹیں، گالی نکالیں گذر چکا ہے تو اس کی قبر کھود کر ہڈیوں کو جلا دیں۔ جس طرح بھی اپنی ناموافقت مزاج کا بدلہ لے سکیں لیں۔ البتہ مجھے اتنا کہہ سکتے ہیں کہ نقل صحیح ہے۔ مگر ناقل فقیہہ نہیں۔ سو کہیں بیشک کہیں۔ میرا اس میں فخر ہے۔ ایک فخر نہیں۔ بلکہ ہزار فخر کیوں کہ میں تو محمد بن اسمٰعیل بخاری بن گیا۔ چلو یہی سہی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ
فَقُلْتُ لِخَمْرَتِی نَحْوِی تَعَالِی

ہر ایک فرقہ نے اپنی کوئی نہ کوئی اصطلاح مقرر کی ہوتی ہے تاکہ انکا غیر مشرب کوئی ان کی بات کو جس کا چھپانا اپنے غیر سے مناسب سمجھتے ہوں نہ سمجھے وہ غیروں کے ہوتے ایک دوسرے کو اپنی سمجھا لیتے ہیں غیر کو کچھ سمجھ نہیں آتی۔ وہ اپنے مطلب کو ٹھیک کر لینی جانتے ہیں۔ کسی کے برا کہنے یا اور کچھ کرنے کی پرواہ نہیں رکھتے۔ قرآن شریف جو کلام الہٰی ہے۔ خدا اور اس کے پیارے کے درمیان وہی ایک ایسا سلسلہ ہے جس سے محبوب نے محب کی رموز کو سمجھا۔ وہ کچھ تو عام لغوی معنے کے الفاظ ہیں۔ اور جہاں بات مختص بذات محبوب ہے۔ اور ہر ایک کے سمجھانے کی نہیں مثلاً اسرارِ توحیدی تو وہ اصطلاحی[۱] رموز ہیں۔ غرض کہیں حقیقت ہے۔ کہیں مجاز۔ کہیں استعارہ کہیں کنایہ و اشارہ۔ دیکھو آیات متشابہات۔ و حروف مقطعات۔

[۱] یواقیت والجواہر امام عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۷ صفحہ ۷ جلد ۱

اسی طرح صوفیوں نے بھی اپنی اصطلاحیں مقرر کر رکھی ہیں اور اس سے ان کا یہ مطلب ہے کہ جوشِ محبت میں منہ آئی نکل بھی جائے اور نااہل اس ستر کو نہ پائے، نہ بھڑکے، نہ بھڑکائے بمنہ سے اسلئے نکالتے ہیں کہ اپنی جماعت یا آنے والے ہم مشربوں کو خاص اصطلاحی پردہ میں یہ سب باتیں جو یا تو طریق وصول الی اللہ کی ہیں یا عقائد حقیقت ہماری زندگی یا مرنے کے بعد پہونچ جائیں۔

سچ تو یہ ہے کہ بعض باتیں سمجھانے کی نہیں، وہ زبان سے بذریعہ کان دوسرے تک نہیں پہنچائی جاتیں۔ بلکہ توجہ خاص اور اثر صحبت سے مستاثر فیض موثر سے متاثر ہوکر خود بخود ان کے منشار کو پالیتا ہے۔ اور اگر بوجہ من الوجوہ کچھ اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے تو تو ایسی اصطلاحوں میں جن کو مخاطب ہی سمجھتا ہو۔

قصیدہ شریفہ میں بھی یہی طریق مختار ہے۔ حُبّ۔ خمرۃ۔ حال۔ مخدع وغیرہ۔ اصطلاحی لفظ ہیں۔ گو ہر ایک کا نام بظاہر چند حروف سے مرکب ہے۔ اور وہ مرکب ترکیبی صورت میں بلحاظ معانی مشہور عام سامعین کے دل میں رنگ دے کر لاتا ہے۔ اور کچھ اور ہی خیال پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس اصطلاح کے واقفوں سے پوچھو کہ وہ اپنے آپ میں کیسی لذت پاتے ہیں انکی حالت ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ کی ہوتی ہے لا موجود الا ھو لا مقصود الا ھو۔

شرح

حُبّ۔ جب تک ظاہر نہیں تو اس کا نام حب ہے۔ ظاہر ہو تو عشق ہے۔ اور مقام اس کا دل کا جوف زیریں ہے۔ اس جوف کا نام فؤاد ہے۔ اس میں جب نورِ حُب بھر جاتا ہے تو اس قدر وسیع اور روشن ہو جاتا ہے۔ کہ حقائق ملکوتی اور اسرارِ لاہوتی اس میں منکشف ہوتے ہیں۔ یہی وہ فؤاد ہے جس کا ذکر حق تعالیٰ نے اپنے محب و حبیب کی وصالی کیفیت میں فرمایا ہے۔ ماکذب الفؤاد ما رأے۔ (مطالب وغیرہ)

حُبّ جب اشتداد کو پہونچ جاتا ہے اور اساحب۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کا مصداق بنجاتا ہے تو محبوب کے وصال حاصل کرنے کے لئے اپنی عزت و وقار کو نہیں دیکھتا۔ ہر قسم کی ذلت و خفت کو خوشی سے اپنے پر لیتا ہے۔ مال و جان عرض و شاق اس پر قربان کر دیتا ہے۔ روئے زمین کی بادشاہی چاند سورج پر کی حکمرانی اپنے پر ایک یار کی دھن میں تھوکتا بھی نہیں۔ دنیا کے پہاڑ سونا بنکر۔ ریگ کے ذرے لعل و جواہر ہو کر سامنے آئیں تو تاکتا بھی نہیں۔ ساعت بساعت۔ دمبدم طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتا ہے۔ سخت گرم دھوپ میں جلتے پتھر پر پیٹ کے بل پڑا کھجور کی چھڑیوں اور اینٹ پتھر کی مار کو مستی عشق

میں کچھ بھی محسوس نہیں کرتا۔ اور تصورِ یار میں احد احد پکارتا ہے۔
حُبّ کا الف لام قائمقام مضاف الیہ ہے۔ یعنی حُبّ اللہ۔
اور بوجہ استغراق اس سے مراد عشق الٰہی ہے۔ اور وہی ذات پاک
نور النور محبوب حقیقی و مطلوب حقیقی ہے۔ مقصودِ اصلی انسان
کے پیدا کرنے کا بھی یہی ہے کہ وہ اس کے غیر سے اعراض کرکے
اسی کی ذات سے دل لگائے۔ چنانچہ ماخلقت الجن و
الانس الا لیعبدون سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ علّتِ غائی پیدائشِ
انسان کی معرفتِ الٰہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ذریعہ معرفت
(پہچان) وحصولِ قربت عشق ہے۔ کیونکہ جب کسی کو ملنا ہو۔ تو پہلے
اس کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت باعث طلب ہے۔ پھر طلب
کرتے کرتے محبوب سے میل (وصال) ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی پہچان
بھی ہو جاتی ہے۔ اور جب اس کی پہچان ہو جاتی ہے تو پھر اس کے
بڑھانے کے لئے محب (عاشق) اور بھی زیادہ کوشش کرتا ہے۔ ہر طرح
سے اس کی تابعداری کرتا ہے۔ اور اس کے سوا سب کو اسکی طلب کے
رضا میں فنا کر دیتا ہے۔ اور رابطۂ محبت کمال تک پہنچ جاتا ہے کہ ایک دم
بھی سوائے اس کی ذات کے تصور کے نہ گذرے۔ اور غیر سے انقطاعِ
کلی حاصل ہو تو پھر اس جذبہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ محبوب خود محب کی
طلب میں لگ جاتا ہے (حدیث اَتَیتہ ھروَلۃً اس کی شاہد ہے)
گویا مطلوب طالب بن جاتا ہے اور معشوق عاشق۔

جب ایسا ہو تو عاشق کی کوئی چیز اپنی نہیں رہ جاتی چنانچہ حدیث میں ہے۔ یسمعہ الذی یسمع بی و بصرہ الذی یبصر بی اس کا کہنا کرنا سب کچھ معشوق کے اختیار میں ہوتا ہے غرض طالب مطلوب کے ارادہ میں فنا پاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی ہستی کو رفنائے مطلوب میں نیست کر دیتا ہے تو اس نیستی یا فنا سے اس کو مطلوب کے ساتھ بقا ملتی ہے۔ اس کی کوئی خواہش نہیں رہ جاتی۔ مطلوب جو چاہے کرے۔ طالب سے جو فعل سرزد ہوں وہ درحقیقت مطلوب کے ہوتے ہیں۔ ؎

گفتۂ اوشاں گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اندریں حالت کسی چیز کو اس کے حکم سے انکار کرنیکی مجال نہیں ہوتی اور فوراً تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ جناب غوثیہ کا بعد از وصال بقیہ مئے کو اپنے اخلاص مندوں کے لئے اپنی طرف بلانا تعلمت لغرتی نحوہی تعالیٰ، اور اس کا بہ تعمیلِ حکم دوڑتے آنا دست وشت لخوی فی کوس، اسی پر مبنی ہے۔

تقریر دوم

چونکہ حُب[۱] ہی اساس وصال ہے۔ اس لئے طالب کو اسی کا

۱؎ ہی المواقفۃ المحبوب فی محبوبہ ومکروہہ۔ ۱۲

سوال ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے الحبُّ اَسَاسِیۡ یعنی میرے اس قرب اور حصول جامعیت (درجات نبوت وولایت) کی بنیاد عشق الٰہی ہے۔ کہ ابتدا سے ہی مجھے سوائے اس کے کچھ نہ بھاتا تھا۔ اور میں اس کی محبت وطلب میں ویرانوں۔ آبادیوں۔ پہاڑوں کی غاروں۔ گلی کوچوں میں پھرتا۔ اٹھتا۔ بیٹھتا۔ اَرِنِی کو اَدامی اھدنا الصرٰط المستقیم میں پکارتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں واصل بمطلوب ہوا۔ اور جو قرب ومعیت وصل ورویٔت مجھے حاصل ہوئی وہ کسی کو نہیں۔ دنا فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی — اس کا شاہد ہے۔

اگرچہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسّلام عشق کے انتہائی درجہ تک پہونچے ہوئے اور لبقا، باللہ کے اعلےٰ مراتب پر فائز تھے۔ پھر بھی اسی کی خواہش تھی اور ہر دم آپ
کنایۃً اسی راہ کے طے کرنے کے لئے خدا سے بایں الفاظ اِیَّاکَ نَسْتَعِیۡنُ مدد مانگتے رہتے اور ونکو بھی یہی تعلیم دیتے۔
صراحۃً اَللّٰھُمَّ اِنی اسالکَ حُبُّکَ یا اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں۔ کہا کرتے۔

پس سقانی الحب کاسات الوصالی عنوان قصیدہ نتیجہ طے منازل ہے۔ اور اس کو

رابطۂ وصولی

کہتے ہیں۔ اس سے آگے جو بیان ہے کہ مجھکو کس طرح یہ درجۂ وصل حاصل ہوا۔ اور میں ہمیشہ طالب وصلِ الٰہی رہتا تھا اور مئے محبت مطلوبِ حقیقی کا خواہاں جس کے ذریعے سے میں واصل بمطلوب ہوا۔ یہ سب بیان۔

سلسلۂ حصول

ہے فرماتے ہیں۔ میں جب وصلِ محبوب کا خواہشمند ہوا۔ تو میں نے مئے محبت پینا شروع کیا۔ بنا بریں مقدّر محذوف مصرعۂ دوم یہ ہے۔ کہ اے شرابِ محبت آ۔ میرے کاسۂ دِل میں جاگزیں ہو تاکہ میں غیر و غیریت سے بے خبر ہو جاؤں اور اپنی ہستی کو چھوڑ دوں۔

شاد باش ای عشقِ خوش سودائے ما ٭ اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما ٭ اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

غرض مصرعہ اوّل بکیفت مجمل ہے۔ اور مصرعہ دوم کیفیت مفصل اظہار یہ ہے کہ مجھے جام وصل جو دیا گیا۔ تو میں نے کس طرح لیا۔ اور میں اسکے دیئے جانیکا کیونکر مستحق ٹھہرا۔ اس طرح کہ جب مجھے شوقِ تقرّب غالب ہوا تو میں نے دمبدم اَسالکُ مُنکَ کے نعرے لگانے شروع کیے۔ اور محبوب حقیقی کا وصل حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنے لگا۔ اسلئے جوشِ طلب مطلوب میں میں نے اپنے ذریعہ حصولِ مطلوب کو جو کہ وہ مئے عشق ہے۔ پکارا۔ کہ آ آ جلد آ۔

تقریرسوم

بعض اولیاء اللہ خدا کے محبّ (عاشق) ہوتے ہیں۔ اور بعض خدا کے محبوب (معشوق)، اس طرح کہ یہ ایک وجود پیدائشی محبوب ہوتا ہے۔ جذباتِ غیبی شروع سے ہی اسے ایسے افعال کیطرف منجذب کرتے ہیں کہ وہ سببِ تقرّب و باعث بر وصول الی اللہ ہوتے ہیں یہ درجہ انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض اولیاء کو بھی۔ چنانچہ رسالتمآب محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وجود میں آنے کے وقت سے ہی جذباتِ احدیّت میں منجذب تھے۔ آپ فرماتے ہیں

وَانا حبیب اللّٰہ خدا خود آپ کا محبّ اور رضا جوئے تھا چنانچہ حدیثِ قدسی میں ہے کُلّھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضائک

وجود میں آتے ہی حق تعالیٰ کی محبّت نے اپنی طرف جذب کرنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہی حال جناب غوث پاکؓ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ انا ما ربّانی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ آلہٖ وسلّم وَلا علی لا حدٍ منّۃٌ بَعدُ رسولِ اللّٰہ یعنی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہی تعلیم دی ہے۔ اور علم الٰہی کا فیض بخشا ہے آپ کے سوا اور کسی کا مجھ پر احسان نہیں۔ یعنی جو کچھ ہے۔ آپ ہی کی مہربانی ہے۔ سو آپ بطور شکرانہ پہلے پہل اسی کا ذکر کرتے ہیں

کہ مجھے اس محبّت آمیز جذبہ نے جام مئے وصال پلایا۔ اور جب (پلانے کے وقت) میں نے ساقی (جاذب) کے ہاتھ میں اسے دیکھا۔ تو اس قدر بے صبر ہوگیا۔ کہ شراب کو پکارنے لگا۔ آ آ جلد آ۔ کاسؔ وہ ظرف ہے۔ جس میں شراب پیتے ہیں اور کاسؔ خود شراب کو کہتے ہیں (کتاب الاضداد للانباری ص۱۳۹) بایں معنی شراب وصل ہو سکتا ہے جو مجازاً جام وصل کا مترادف ہے۔ کاسہ سے مراد کاسہ میں پڑی ہوئی شئے کی ہے۔ و الجمع لتنوع الوان ما فیہ۔

بیت میں کاسات بلفظ جمع اس لئے ہے کہ مئے اگرچہ ایک ہے۔ مگر رنگ مختلف اور کئی مزے۔ واقف اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ محبت ہر مقام ہر منزل۔ ہر حالت میں کیا رنگ بدلتی ہے اور کیا کیا لذت دیتی ہے۔ علامہ روزبہان اور شیخ اکبر قدس سرہما کی تفسیر کلما رزقوا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل و اتوا بہ متشابہ دیکھنا چاہیئے

پس معنے بیت یہ ہوئے کہ مجھے عشق الٰہی نے جام وصل پلائے (اور اس درجہ کے ملنے کی کیفیت برائے افادۂ طالباں یہ سبب ہے کہ) میں شراب محبّت کو با اخلاص وصفا۔ صدق و وفا پینے کی طلب میں رہتا تھا۔ اور ہر وقت پکارتا تھا۔

کہ آ مجھے مست کر اور بخیریت سے محویت دے۔ تو وہ میرے جذبۂ طلب یعنی جذبات قلبی سے متاثر ہو کر

۲ سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُؤُسٍ
فَهِمْتُ بِسُکْرِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

میری طرف منجذب ہوا کئی کاسوں اور کتنے جاموں میں بھرا ہوا میرے پاس دوڑتا چلا آیا۔ تو میں نے مستی اور بے خودی اور ذوق میں اپنے دوستوں کو بانٹ دیا۔

اختلافِ الوان و لذات باختلافِ درجات و مقامات ہے۔ چونکہ جناب غوثیہ کے موالی یعنی مُرید مختلف درجات اور متعدد تعداد کے تھے۔ لہٰذا وہ مختلف رنگ اور متعدد کاسوں میں پڑ کر پیش ہوا اور آپ نے ہر ایک کو اسکے حسب استعداد و مقام تقسیم فرمایا۔

اور مسئلہ مسلمہ قوم ہے کہ پیر کو مریدوں کے درجات اور اسباب ترقی و تنزل کا علم دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے مریدوں کا علم بے یوم القیام دیا گیا۔

کتاب الیواقیت والجواہر مطبوعہ مطبع میمنہ مصر ۱۳۱۷ھ جلد اول کے صفحہ ۱۰۲ اور مشکوۃ باب الایمان والقدر فصل ثانی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رضی روایتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج یوما وفی یدیہ کتابان مطویان وھو قابض بیدہ علی کتاب فسالہ

اصحابه ما هذان الکتابان وفی روایۃ فقال اتدرون وما هذان الکتابان قلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال ان فی الکتاب الذی کان بالیمنی اسماء اھل الجنۃ واسماء اباءھم وقبائلھم و عشائرھم من اول ما خلقھم اللہ الی یوم القیمۃ وفی روایۃ قال للذی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اباءھم وقبائلھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا ثم قال للذی فی شمالہ ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اباءھم وقبائلھم ثم اجمل علی اخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا ۔

اس حدیث کو امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ اور صاحب مشکوۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ترمذی درج کیا ہے چونکہ بعض الفاظ میں دونوں کا کسی قدر اختلاف ہے۔ اور مطلب کیلئے روایت امام شعرانی رح زیادہ تر واضح ہے اس لئے میں نے سرخ واؤ دیکر دونوں کو یکجا جمع کر دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے۔ آپ کے دست مبارک میں دو کاغذ لپیٹے ہوئے گھٹ کر پکڑے ہوئے تھے آپ نے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ کیسے نوشتے ہیں۔ یہ ہیں رب العلمین کی طرف سے ۔ اس دائیں ہاتھ کے کاغذ میں تمام اول سے آخر تک

کے جنتیوں کے نام معہ ان کی ولدیت وقومیت وگوت وغیرہ
کے درج ہیں۔ اور اس بائیں ہاتھ کے کاغذ میں تمام اوّل سے
آخر تک کے جہنمیوں کے نام مع ان کی ولدیت وقومیت وگوت
وغیرہ کے درج ہیں۔ اس حدیث سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے
کہ آپ کو وہ سب جنکے نام مکتوبوں میں درج تھے معلوم ہیں۔ گویا
جس نے دُنیا میں ہدایت پانا اور آپکا قیامت تک اُمتی ہونا ہے
اس دائیں ہاتھ کے نوشتہ میں آپکو معلوم ہے۔ اسی طرح بہ تبعیت
جناب رسالتمآب ونبوت حضرت ولایت کو بھی قیامت تک اپنے
مریدوں کا علم تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیخ نورالدین ابوالحسن علی
بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الشافعی رحمتہ اللہ علیہ بسندِ خود کتاب
بہجتہ الاسرار میں لکھتے ہیں۔ قال الشیخ محی الدین عبدالقادر
الجیلی رضی اللہ عنہ اعطیت سجلا مد البصر فیہ اسماء اصحابی
ومریدی الی یوم القیمۃ یعنی آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک ملتفہ جو
اتنا لکھا ہوا تھا۔ جہاں تک کہ نظر جاتی ہو دیا گیا۔ اس میں قیامت تک
کے میرے مریدوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اسی دیگر مقبولانِ حق اور
اور اولیاء اللہ سے بھی بطریقِ مقبول ثابت ہے۔
بین الموالی۔ موالی جمع مولی کی ہے۔ بمعنی دوست مراد

سے۱ مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۴ھ صفحہ ۱۰۰ بقیہ بر صفحہ ۲۹۔

مرید مخلص غلام۔ فرمانبردار۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جناب کے ذریعہ سے الکو فیضانِ الٰہی پہنچا۔ بلا خوف حضور سید عالم مفخر موجودات علیہ وآلہ التحیات کی ذات قدسی صفات خلافۃً من اللہ تمام جہان کے مقربوں اور واصلوں کے لئے چشمۂ فیض ہیں۔ اور جس کو فیض انوار الٰہی ملا ہے آپ ہی کی تبعیت میں ملا ہے۔ اسی طرح جناب غوثیہ نیابۃً عن النبی اولیا اللہ کے لئے چشمۂ فیض قدسیہ ہے۔ کتاب ماثبت بالسنۃ مؤلفہ جناب معارف مآب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۷ھ صفحہ ۶۰ پر لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بخدمت جناب قدوۃ المشائخ سید عبدالوہاب و پیشوائے آئمۂ طریقت سید عبدالرزاق رضی اللہ عنہما دونوں بالاتفاق روایت کرتے ہیں۔ (اور امت محمدیہ میں ایسا کون ہے جو ان پاک شخصوں کی جو سردار اولیا اللہ ہیں روایت میں کسی طرح کا شک کرے) کہ حضرت شیخ بقا بن بطو رضی اللہ عنہ پانچویں رجب ۵۴۳ھ ہجری روز جمعہ کی صبح ہمارے والد ماجد رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مدرسہ میں تشریف لائے اور ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تم نے آج صبح ہی میرے یہاں آنے کا کیوں نہیں

جو لوگ ایسی کتابوں کو جن کے راوی علاوہ ان ضعفا کے جن سے روایت کی ہے۔ ملعون مذہبی دستور عقیدہ سے مطعون ہوں۔ صحیح مانتے ہیں۔ وہ ایسی کتاب کو جس کے راوی سید اولیاء اللہ ہیں اور کسی نے انکی کسی بات پر طعن نہیں کیا کیوں نہ مانیں گے۔ ۱۲م

پوچھا. میں نے رات ایک نور دیکھا ہے جس سے تمام جہان اور جمیع موجودات روشن ہو گئے ہیں. اور میں نے ہر صاحب ستر کے ستر کو بھی دیکھا. بعض اسرار ایسے ہیں کہ وہ صاحب ستر سے متصل ہیں اور بعض ستر اور صاحب ستر میں کوئی امر مانع ہے اور جس کو ملا ہوا ہے اس کا نور المضاعف ہے. یہ دیکھکر میں نے ان انوار کے چشمہ کو دیکھنے کی خواہش کی. اور جب میں اس پر پہونچا. تو دیکھا کہ چشمہ جناب غوثیہ سے نکل رہا ہے اور مجھے زیادہ تر کوشش کرنے سے یہ بھی منکشف ہوا. کہ یہ تمام انوار شہودی ہیں. جو حضور الٰہی کے انوار قلبی کے مقابل ہیں. پھر یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل منعکس ہو کر تمام عالم کو روشن کر رہے ہیں. اور کوئی فرشتہ باقی نہیں ہے. جو حاضر ہو کر آپ سے مصافحہ نہ کرے. اور وہ سب آپ کو شاہد و مشہود کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں.

نعماء و عطاہائے الٰہی میں کسی اور کو بھی شامل کرلینا جناب غوثیہ کو وراثۃً جدّ امجد علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا ہے معراج میں جب آپ کو غیر متناہی قرب حاصل ہوا تو پہلے پہل رب العزۃ سے آپ کو جو عزت ملی. وہ سلام تھا. السلام علیک ایہا النبی آپ نے اسی وقت اوروں کو اپنے ساتھ شامل کرلیا السلام علینا اسی طرح جناب غوثیہ کو جب نعمت قرب حاصل ہوئی اور لذت وصل پائی تو اپنے وابستگان اور مستفیضان یاد پڑے. اس لئے

آپ نے انکو بلایا۔ خود ہی فرماتے ہیں۔ کہ میں جب اپنے دوستوں (مریدوں) سمیت جامِ وصل و تقرب سے مست ہوا۔ تو ان کی ترقی پر اور بھی توجہ کی۔

۲۱	وَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

اور ان تمام کو جو درجہ قطبیت پر پہونچ چکے تھے۔ میں نے کہا کہ سب اکٹھے ہوکر میرے پاس آؤ اور میرے حال میں داخل ہوجاؤ کیونکہ تم میرے زیرِ سایہ تربیت یافتہ ہو۔

حال، دو قسم ہے۔ جلال و جمال۔ جمال یہ کہ جب مطلوب و مقصود (وصلِ ربانی) حاصل ہوا۔ تو اس میں جو لذت پائیں۔ انکو اکیلا حاصل کرنا گوارا نہ کیا۔ اور دوسروں کو بھی بلا بلا کر شامل کرلیا۔ بلکہ ہمیشہ تک اس مطلوب و مقصود کو پانے کا طریق بتا دیا۔

جلال یہ کہ میں دریاؤں کو خشک۔ پہاڑوں کو نیست وغیرہ کرسکتا ہوں جہاں میری نظر میں رائی کے دانہ کے برابر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

واضح ہو۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس مظہرِ جلال و جمالِ الٰہی ہے۔ لیکن جمال غالب سبقت رحمتی علی غضبی

اور چونکہ آپ آئینۂ جمالِ ذوالجلال ہیں۔ اس لئے آپ میں بھی وہ صفات جیسے کہ اس بیمثالی ذات میں ہیں۔ ویسے ہی منعکس ہیں۔ اور حضرت غوثیہ چونکہ مرآۃ جمالِ محمدیہ ہیں۔ اسلئے آپ میں بھی وہی صفات بدستور منعکس ہیں۔ پر چونکہ جمال غالب ہے۔ اس لئے قصیدہ میں اوّل ظہور صفتِ جمالی (تعلیم۔ تربیت۔ رأفت شفقت غمخواری۔ ہمدردی) ہے اور آگے کچھ جلالی اور وہ بھی صرف مریدوں کی تسکینِ دل کے لئے۔ ورنہ آپ کا جمال غالب اور جلال جمال آمیز ہے جو حضور رسالت سے بشہادت وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین بطور وراثت موصول ہے۔

فرماتے ہیں میں نے اپنے تربیت کئے ہوئے واصلوں کو جو درجۂ قطبیت حاصل کر چکے۔ پکارا کہ تم سب ایک جا اکٹھے ہو کر میرے پاس آؤ۔ اور میرے حال میں داخل ہو جاؤ۔ میرا حال یہ ہے کہ میں نے تم کو خاص وقت میں نہیں بھلایا۔ اور مئے وصال پینے کے وقت تم کو شامل کر لیا ہے۔ تم میرے حال میں داخل ہو جاؤ۔ یعنی میرے اس طریق پر چلو۔ کہ اپنے اوقاتِ خاصہ میں اوروں کو فراموش نہ کرو تاکہ سلسلۂ افاضہ و استفاضہ جو میری جدِّ امجد سے شروع ہوا ہے۔ تاقیامت حسبِ منشا ان کے جاری رہے۔ کیوں کہ تم میرے مرید ہو۔ مجھ سے تربیت یافتہ ہو۔ اسی واسطے میں تم سب کو حکم دیتا ہوں۔ کہ آؤ۔

وَهِمُّوا وَاشْرِبُوا آنْتُمْ جُنُودِی ۴۰
فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِی مَلَالِی

اور کوشش کرو، اور پی لو (اور مقام احدیت میں میرے ساتھی ہو جاؤ) کیونکہ تم میرا لشکر ہو. جو علاقۂ غیریت کے فتح کرنے اور قلعۂ دوئی کو توڑنے کیلئے تیار کئے گئے ہو. ساقیٔ قوم کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا جس نے مجھے شراب محبت الٰہی وصل کے جاموں میں بھر بھر کے پلایا ہے، اور کچھ کمی نہیں رکھی. جتنی میں مانگتا گیا دیتا گیا۔

ساقی دو قسم ہے ۱. بواسطہ ۲. بے واسطہ. ساقی بے واسطہ ذات حق ہے چنانچہ وسقیٰہم ربہم شراباً طہورا میں مذکور ہے. اور ساقی بواسطہ انبیاء واولیاء اور ملائکہ ہیں. اصطلاح قوم میں ساقی بواسطہ شیخ بدرے (پیرومرشد) ہے کہ جسکے واسطہ سے فیض ملکوتی وجبروتی ولاہوتی مریدوں کے دلوں میں پہونچتا ہے. اور دنیا میں یہ شراب بواسطہ ملتا ہے اور عقبےٰ میں بے واسطہ مطالب رشیدی صفحہ ۹۴۔

قصیدہ میں ساقیٔ قوم سے مراد ذات مبدء فیض انوار نامتناہی جناب رسالت پناہی ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کی ذات اقدس سے سب کو فیض تجلیات ملتا ہے. اور چشمۂ لقا سے جام وصل

پلانے کے لئے آپ ہی ساقی ہیں۔

اب ہم بغرض تنسیق معانی اور ترتیب سلسلۂ کلامی شروع سے یہاں تک نظر پھیرتے ہیں۔ اور قومی اصطلاحات پر اس سلسلہ کو قائم کر دکھاتے ہیں۔

حبّ رابطۂ قلبی بمرشدِ حقیقی۔ کاس جمع اس کی کوس حقیقتِ جامعیۃ۔ وصال۔ تجلی ذاتیہ۔ شراب نفسِ رحمانی۔ ساقی مرشدِ حقیقی۔

چار بیت اوّل کا مطلب بحسب اصطلاح صوفیہ یہ ہے کہ مجھے مرشدِ حقیقی کے ساتھ رابطۂ قلبی نے تجلی ذاتی دکھائے پس میں نے انفاسِ رحمانی کو کہ نتیجہ رابطہ مذکور اور باعث تجلیات ہیں بلا انقطاع اپنے پر وارد ہونے کی تمنا کی۔ تو وہ حقیقتِ جامعیۃ کی صورت میں میرے سامنے ہوئے۔ جن کو میں نے اپنے دل پر لیا۔ اور ونکو بھی اسی طریق سے لینے کی ہدایت کی۔ وَہُمُوا واشربُوا الخ۔

بالوافی ملالی وفا پورا کرنا کہ چیز معہودہ یعنی وعدہ وفا کردہ چیز سے کچھ باقی نہ رہ جائے۔ مثلاً یوفون بالنذر۔ اور اوفوا بالعقود میں امر بالتمام ہے۔ کیونکہ کچھ باقی رہ جائے۔ تو وہ وفا نہ ہوئی مصرعہ دلالت کرتا ہے کہ جتنا میری نظر میں تھا۔ ساقی نے اتنا ہی دے دیا اور میں نے جس قدر کہ پی سکتا تھا سیر ہو کر پی لیا۔ اور تم سے (خطاب باقطاب)

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِي مِنْ بَعْدِ سُكْرِي وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّي وَاتِّصَالِي	۵

جو پیا ہے میرا پسخوردہ ہے۔ اور اگرچہ میرے پسخوردہ کی برکت سے تم صاحب مقامات ہوگئے۔ لیکن تم میرے علو مدارج اور اتصال (قرب) کو نہیں پاسکتے۔

سُکر اصطلاح صوفیہ میں مطلوب حقیقی کے سوا اور سب سے بیخبر ہونے کو کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے سوائے محبوب کے کچھ خبر نہیں۔ اور میں اسی ایک کی محبّت میں مست ہوں سُکر یعنی وحشت عن الغیر و اُنس باللہ نے جو منتج بقا ہے۔ مجھے حد درجہ تک پہونچایا ہے۔ جو میرے کسی غیر کو نہیں ملا۔

امام محمد بن ابی بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ کتاب التوحید میں سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت سرّی سقطی رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا کرتا تھا یبلغ العبد من الھیبۃ والانس الی حد لو ضرب وجھہ بالسیف لم یشعر بہ یعنی ہیبت و اُنس بندہ کو اُس حد تک پہونچاتی ہے۔ کہ اگر تلوار سے اُس کے چہرہ کو زخمی کردیا جائے تو اسے کچھ خبر نہ ہو۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اُنس باللہ اللہ کے ساتھ خوش رہنے سے پیدا

ہوتا ہے۔ اور جس کو یہ انس حاصل ہو۔ تو وہ اس کے غیر سے متوحش ہو جاتا ہے۔ یعنی ذاتِ الٰہی میں اسے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اس کو ماسواہ کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ بس یہی لبقاء ہے۔ اور صاحب درجہ باقی باللہ ہے (حیٰوۃ الحیوان مطبوعہ عامرہ شرقیہ مصر جلد اص ۱۹۶)

امام العاشقین، قطب الواصلین حضرت نوشہ گنج بخش[1] رحمۃ اللہ علیہ انس باللہ اور وحشت عن الغیر یعنی لبقاء حاصل کرنے کا طریق یوں فرماتے ہیں۔ "اللہ اللہ اتنا کہے۔ آپ نہ رہے۔ اور اللہ رہے" سو جب وہ نہیں رہا۔ اللہ ہی اللہ ہے۔ تو اللہ میں وحشت کہاں۔

حضرت غوثیہؒ فرماتے ہیں کہ میں لبقاء کی منزل میں پہونچ چکا ہوں اور جہاں تم ہو میں اس سے ترقی کر کے پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ اس لئے تم میرے عالی درجہ اور واقفِ منازل اور قطب ارشاد ہونے کا اور اپنا سردار ہونے کا اقرار کرو۔ اور میرا چھوڑا ہوا پیکر ہر وقت اپنے آپ کو میرا طفیلی ہونا یاد رکھو۔ اور اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ

مَقَامُکُمُ الْعُلٰے جَمْعًا وَّ لٰکِنْ
مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالٍ

گو تم سب کا مقام بلند ہے لیکن میرا مقام دائماً قربً مافوقہ قربً،

[1] آپکا مزار شریف موضع سہنپال برلب دریائے چناب ہے سلسلہ قادری نوشاہی انہیں کیطرف منسوب ہے

تم سب سے بلند تر ہے۔ کہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور کبھی پست نہ ہوگا۔ ہے
یعنی میں اپنے شکر سے اس درجہ کو پہنچ چکا ہوں جو مقام البقاء مع الدوام للقاء
لان البقاء الذی لیس معہ فناء لا یکون الا مع اللقاء الذی لیس معہ انقطاع

بہجۃ الاسرار مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۴ھ کے جلد ۱ صفحہ ۷۸ اور نزہۃ المجالس
شیخ عبدالرحمٰن صفوری شافعی مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۲۵ھ پر لکھا ہے۔ کہ شیخ
قدوہ عبدالرحمٰن طفسونجی رحمۃ اللہ جو حضرت شیخ سید میراں محی الدین عبدالقادر
جیلانی رضی اللہ عنہ باز الاشہب کے ہمعصر تھے۔ ایک دن کرسی پر بیٹھے
ہوئے کہہ رہے تھے۔ کہ میں اولیاء اللہ میں ایسا ہوں جیسے جانوروں
میں کونج۔ مراد یہ کہ میری طاقت سب سے زیادہ ہے۔ اتفاقاً وہاں جناب
غوثیہ کا ایک درویش حاضر تھا۔ وہ سنکر رہ نہ سکا۔ اور کہا۔ آ تو تو بڑوں
بڑوں پر چیرہ دستی کا دعوے کرتا ہے۔ اور میں چھوٹوں کا چھوٹا ہوں نیچے
اترا اور مجھ سے پکڑ کر میں تیری طاقت دیکھ لوں۔ یہ سنکر شیخ طفسونجی
نے پوچھا تو کہاں کا ہے؟ وہ بولا بغداد کا۔ اور حضرت قدوۃ الاولیاء
شیخ المشائخ جناب سید محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ قدمی ھٰذہ
علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ کہنے والا کا خدمت گار ہوں۔ شیخ طفسونجی
نے کہا میں نے اس کا کبھی کوئی ذکر نہیں سنا اور میں چالیس سال سے
باب القدرت پر متمکن ہوں۔ میں نے اسے کبھی آتے جاتے نہیں دیکھا
یہ کہکر دو شخصوں کو حکم دیا۔ کہ تم بغداد جاؤ۔ اور یہ درویش جس شخص کا نام
لیتا ہے۔ اس سے ملکر پوچھو۔ کہ تو تو باب القدرت تک رسائی نہیں

رکھتا۔ دعویٰ قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ کیسے کرتا ہے؟ جب یہ گفتگو
وہاں ہو رہی تھی۔ تو بغداد شریف میں جناب غوثیتؓ اس وقت کسی کے
ساتھ بات چیت میں مشغول تھے۔ اسی شغل میں آپ کو کشفاً جارا ارۃ اللہ من
طفشونج میں یہ سب کچھ ماجرا نظر آگیا۔ فوراً اپنے دو درویشوں کو بلاکر فرمایا
کہ تم دونوں طفشونج کی طرف تیار ہو جاؤ۔ اور وہاں پہونچ کر شیخ
عبدالرحمٰن کو کہ میرے قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ کے کہنے سے انکار کرتا
ہے۔ اور فی الحال دو شخصوں کو میرے پاس بھیجا ہے۔ جو راہ میں تم کو ملیں
میرا سلام دے کر کہدو کہ ٹھیک تو باب القدرت پر کھڑا رہتا ہے۔ لیکن
جو دروازہ پر کھڑا رہتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ اندر کون ہے۔ تو باب القدرت
کے باہر۔ اور میں حضرت القدس کے اندر۔ تو مجھے کہاں دیکھ سکتا ہے۔
تجھے ابھی اندر آنے کی توفیق نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تجھے جو فلاں
وقت حضرت قدس سے ایک خلعت قُل ھُوَاللہُ احد کے طراز سے مطرز
تھا۔ عطا ہوا ہے۔ وہ میرا اتارا ہے۔ یعنی میں اس سے ترقی کر گیا
مجھے اس سے آگے کا اور اعلیٰ درجہ یعنی بلند تر مقام ملا ہے۔ اور دو
بشہادت بارہ ہزار ولی کے بخشدیا گیا ہے۔ جب وہ دونوں یہ حکم
لیکر روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں شیخ طفشونجی کے بھیجے ہوئے۔ ان
دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا۔ کہ طفشونجی کے پاس جو کچھ
ہم کہنے جا رہے ہیں۔ اسی بات کا جواب ہے۔ جو یہ دونوں طفشونج
سے پوچھنے آئے ہیں۔ یہ سمجھکر آپ کا فرمان ان کو سنا دیا۔ اور ان کو

طفشونجی کی طرف واپس پھیر دیا۔ اور خود بغداد شریف کو واپس آئے شیخ طفشونجی نے جب آپکا فرمان سُنا تو دانت بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ یہ سچ ہے۔ بیشک وہ ایسا ہی عالیمقام ہے۔ جس کا تمام اولیاء اللہ کی گردن پر قدم ہونا چاہیئے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت جناب عالی فرد الافراد و قطب الاقطاب درجہ میں سب مشائخ سے برتر اور مقام اعلےٰ پر ممتاز تھے۔ کہ دوسرے کو اس مقام کی خبر تک نہ تھی۔ کیونکہ آپکا خونِ پاک مخاطب بہ لولاک مشرف بشرفِ ما ارسلناک حضرت جناب حبیب خدا سیدِ الانبیاء خاتم النبیین افضل المرسلین علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ جو بفحوائے تلک الرسلُ فضلنا بعضہم علیٰ بعضٍ منھُم مَن کلم اللہ ورفع بعضہم درجٰتٍ سب انبیاء و مرسلین سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ قرآن و حدیث اس پر ناطق ہے۔ اس وقت آیت مذکور کے جملہ ورفع بعضہم درجٰت کی تفسیر میں جو اہلِ تفسیر نے لکھا ہے۔ مزید اطمینان ناظرین کے لئے مختصرًا درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرفوع الدرجات کا مشارٌالیہ وجود مقدس مصطفوی ہے۔ اور ابہام بغرضِ اظہار تعظیم و افخام ہے تفسیر بیضاوی کے صفحہ ۱۱۹۔ اور تفسیر خازن مع المدارک کے صفحہ ۱۸۲۔ اور تفسیر رحمانی کے صفحہ ۷۹ میں علمائے اعلام سے باتفاقِ رائے منقول ہے۔

اور حدیث میں ہے۔ بیدی لواء الحمد فادم ومن دونہ تحت لوائی اور فضلت علے الانبیاءؑ اور فرمایا جس مقام میں میں پہنچا

ہوں۔ مجھسے پہلے کوئی نبی نہیں پہونچا۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مقامِ محمود میرے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور وہ انتہائی مقام ہے جہاں بحسب وعدہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ میں نجات دلانے کو کھڑا ہونگا حیرت ہے کہ کوئی معترض جنابِ غوثیہ پر اعتراض کرے۔

یہ معترض کیا کرے گا۔ جبکہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول اظہارِ درجاتِ خداداد تحدیثاً بنعمۃ اللہ بلفظ وحدی نکل آئے گا یا مترادف بمعنی جیسا کہ حضرت پیر صاحب تنبیہاً للطلاب وتوضیحاً لبیت الاوّل فرماتے ہیں کہ۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی تقرب وتفرد کا دعوٰے کرے لیکن

اَنَا فِی حَضْرَۃِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُو الْجَلَالِ	۵

میں بارگاہِ قرب میں مقامِ مذکور پر اکیلا ہوں۔ اور یہ قرب ومقام (حضرت القدس) میں ہونے کا) اور کسی کو نہیں ملا۔ اور باوجود اس قربِ کمال کے وہ مالک الدرجات مجھے اور بھی ترقی دے رہا ہے۔ اور وہی جو بڑی جلالت والا ہے۔ مجھے کافی ہے۔

تصریف۔ ایک مقام سے دوسرے مقام میں لے جانا۔ ایک حالت سے دوسرے حال میں پھیرنا۔ فرماتے ہیں کہ مالکِ عظمت وجلال

اپنی مشیت و ارادہ سے کر رہا ہے۔ جو کر رہا ہے۔ میری اس میں کوئی خواہش نہیں۔ وہی مصرف ہے یُصَرِّفُنِیْ کَیْفَ یَشَاءُ مجھ سے جو ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا فعل ہے میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔

تصریف کا معنی صاحبِ تصرّف بنانا بھی ہو سکتا ہے۔ پس یُصَرِّفُنِیْ کا معنٰی ہے مجھے صاحبِ تصرف بنایا۔ فاعل اس کا ذوالجلال ہے۔ تقدیرِ مصرعہ یہ ہو گی۔

یصرفنی ذوالجلال وھو حسبی فی عطاء الکمال

تصرّف اختیارِ کامل جو ایک زبردست طاقت کی طرف سے تمام اشیاء مثلاً ارواح و اشباح پر عطا شدہ ہو۔ ان تصرفات کو تصرف فی الوجود کہتے ہیں۔ جو جناب غوثیہ کو سب سے زیادہ حاصل تھا۔ علمِ اخبار و سیر کے جاننے والوں کو بے شک و شبہ ماننا پڑے گا کہ حضرت غوث الاعظم کا صاحبِ تصرف یعنی صاحبِ کرامات و خوارقِ عادات ہونا حقیت اسلام و حقانیتِ رسالتِ محمّدیہ کا کیسا بیّن ثبوت اور آپ کے محبوب الٰہی ہونے پر برہان قاطع ہے۔ تصرّفِ فی الارواح (جانِ رفتہ کو باز پس لانا) یعنی معدوم سے موجود کرنا و بالعکس۔

تصرف فی الاشباح (عضو شکستہ کو پیوستہ کرنا) متفرق کو متصل کرنا و بالعکس۔

فائدہ۔ عدمِ محض کہ چیز ظہور پذیر کی کوئی جزو یا اس سے

پہلے اس کا نام یا کوئی صورت وہئیت (ہیولی) موجود نہ ہو۔ سو یہ
خاصہ جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا ہے۔ اور اس کے ظہور کے لئے
کسی دوسرے وجود کو مظہر نہیں ٹھہرایا جاتا۔ ہاں! جزو خواہ نہ موجود
ہو۔ لیکن صورت موجود ہو۔ تو اس کے لئے کسی اپنے مقرب بلکہ
اقرب الیہ کو جو مختار۔ مجتبےٰ۔ مصطفےٰ۔ مرتضےٰ۔ محبوب ومطلوب
ہو چکا ہو مظہر قرار دیا جاتا ہے۔

تصرّف فی الارواح۔ بہجۃ الاسرار صفحہ ۱۴۱۔ اور شرح
فتوح الغیب جناب شیخ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بشرح مقالہ ۱۶۔
اور مرأۃ الجنان امام عبداللہ رح یافعی اور حیوۃ الحیوان علامہ دمیری شافعی رح
میں ہے۔ کہ ایک عورت بغرض تربیت اپنے لڑکے کو آپ کے حضور
میں چھوڑ گئی۔ چند روز کے بعد آکر دیکھا کہ لڑکا سوکھا ٹکڑا کھا رہا ہے
اور آپ بھنی ہوئی ککڑی کا گوشت تناول فرما رہے ہیں۔ جوش دل
سے بولی کہ اگر تھوڑا سا اسے بھی دیا جاتا تو کیا تھا۔ آپ خاموش
کھاتے رہے۔ جب کھا چکے تو ہڈیوں پر ہاتھ رکھکر کہا قومی باذن اللہ
الذی یحی العظام وھی رمیم۔ فوراً انہیں ہڈیوں کی پرجھاڑ کر
وہی ککڑی بن گئی۔

یہی ہے جس کو تصرّف فی الوجود کہتے ہیں۔ صاحب تصرّف وہ ہے
جس کو درجۂ تکوین دیا جاتا ہے۔ اس درجہ کا منبع ذاتِ نبوی ہے۔ اور
انہیں کے طفیل حضرت پیر کو حاصل تھا۔ دراصل ہے تو خدا کا کام لیکن

وہ بحسب ارادہ وعلم قدیم اس کا مظہر کسی برگزیدہ بندے کو بنا دیتا ہے۔ اس ثبوت کے لئے بندے سے یہ ہو سکتا ہے۔ یہاں صرف دو واقعے لکھے جاتے ہیں۔ وللمومن فیہ کفایۃ۔

حافظ ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ جابرؓ بن عبداللہ نے ایک بکری ذبح کی۔ اور کچھ روٹیاں پکاکر ثرید بنایا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ کھاؤ۔ مگر کسی ہڈی کو نہ توڑنا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا سب ہڈیاں یکجا کردو۔ پھر آپ نے اس پر ہاتھ رکھا۔ اور زبانِ پاک سے کچھ نکالا سب کے دیکھتے ہی وہ بکری زندہ ہوکر کان پھڑ کنے لگی۔ (انوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ صفحہ ۱۸۸)

جس لفظ کا ترجمہ میں نے "زبان پاک سے کچھ نکالا" کیا ہے وہ "ثم تکلم بکلام" ہے۔ اور صحیح مسلم میں جابرؓ ہی سے تصرف فی الاشیاء "اَعْنِی بِہٖ نَبْعَ الْمَاءِ" میں "ثم تکلم بکلام لم افہمہ" ہے۔ یہی اسم اعظم ہے۔ اور یہی وہ سِتر ہے کہ جس کو مُردہ پر ڈال کر زندہ کرتے ہیں۔ آگ کو نابود۔ دریا کو خشک۔ پہاڑ کو ناپید کرتے ہیں۔

تصرف فی الاشباح۔ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھاؤلے کو دیکھکر فرمایا۔ کُنْ اَبَاذَرٍّ۔ تو ابوذر بنجا۔ دیکھا تو وہ ابوذر ہی تھا رِشتاً تفسیر اکسیر اعظم۔ کتب حدیث) ایکدفعہ ایک سیاہی جیسی نظر آرہی تھی آپ نے اُدھر دھیان کرکے فرمایا۔ کُن اباخیثمہ تو ابوخیثمہ بن جا وہی نکلا (انوار المحدیہ من مواہب اللدنیہ

ایک دفعہ حکم بن عاص پر آپ کی نظر پڑی کہ آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا منہ چھوڑا چھیڑ کر۔ آپ کے سانگ لگا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کن کذلک وہ اسی وقت سے مرتے دم تک کانپتا اور کشیدہ دہن رہا۔ شرح شفا علی قاری جلد ۱ صفحہ ۶۶۵

مروی ہے کہ حضرت علی مرتضٰے علیہ السّلام کے محبتوں سے ایک حبشی نے کچھ چرایا۔ اور گرفتار ہو کر آیا۔ تو آپ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا جب وہ سزایاب ہو کر حضورِ مرتضوی سے نکلا تو حضرت سلمان فارسی رضؓ اور ابن الکراء سے انکی ملاقات ہوئی۔ ابن الکراء نے پوچھا۔ یہ تیرا ہاتھ کس نے کٹوایا ہے۔ اس نے کہا امیر المومنین یعسوب المسلمین۔ داماد مصطفٰےؐ۔ زوج زہراءؑ علی مرتضٰے نے۔ یہ سنکر ابن الکراء نے کہا۔ کہ اُس نے تیرا ہاتھ کٹوا دیا۔ اور تو اُس کی اتنی بڑی تعریف کرتا ہے۔ اُس نے کہا کیوں نہ کروں اُس نے تو مجھے عذابِ دوزخ سے چھوڑا دیا ہے۔ اور جو کیا ہے حق کیا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے حضورِ مرتضوی میں حاضر ہو کر یہ کلمے بعینہا عرض کر دیئے۔ آپ نے فرمایا اسے بلاؤ۔ جب وہ آیا تو اس کا کاٹا ہوا ہاتھ اس کی ساعد پر رکھدیا۔ اور کچھ پڑھا۔ وہ ہاتھ درست ہو گیا۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ عامرہ شرقیہ مصر جلد پنجم صفحہ ۴۶۶)

ایک دفعہ ایک اصحابی کو جو گوشت پکا رہا تھا۔ فرمایا۔ مجھے ہنڈی سے ایک پارچہ نکالدے۔ اس نے نکالدیا۔ آپ نے کھا کر فرمایا۔ کہ اور ایک نکالدے۔ اس نے نکال دیا۔ کھا کر فرمایا کہ اور نکالدے۔ اس نے عرض

کیا۔ کہ یہی دو مجھے جو میں نے نکال دیئے ہیں۔ فرمایا اگر تو یہ نہ کہتا اور نکالدینے کو تیار ہوتا۔ تو جتنی مرتبہ میں تجھ سے پارچے مانگتا پارچے ہی نکلتے۔ (مشکوٰۃ باب مایوجب الوضوء فصل ۳)

تصرف فی القلوب بہجۃ الاسرار صفحہ ۳۲ میں باسند بقید تاریخ و سنہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیخ سالم نے کہا۔ ابتداءً میں تحصیلِ علم کلام میں بہت مشغول تھا۔ اور میرے چچا مجھے منع کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک دفعہ میں اُن کے ساتھ حضرت غوثیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اُنھوں نے میرے علم کلام میں مشغول ہونے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ علم کلام کی کونسی کتاب تم نے یاد کی ہے، میں نے نام لیا۔ یہ سُنکر اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر پھیرا۔ اور جب تک کہ مجھے سب الفاظ و حروف کتب محفوظۂ علم کلام سینہ سے اٹھ نہ گئے ہاتھ نہ اٹھایا۔ خدا کی قسم مجھے ایک حرف بھی پڑھا ہوا یاد نہ رہا۔ اور سب کچھ بھول گیا۔ اور میرا سینہ بجائے علم مکسوبہ کے علم لدنی سے بھر گیا۔ اور میں آپ کے حضور سے ناسی الکلام و حافظا العلم الحلام ہو کر نکلا۔ شیخ سالم کہا کرتے تھے۔ کہ حضرت شیخ عبدالقادر رضؓ سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود علی التحقیق تھے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی جو پیشوائے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ تھا فرماتے تھے۔ کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ صاحب بلیہ مسعود اور تصرف نافذ ہیں۔

تصرف فی البسائط۔ کی مثال بہجۃ الاسرار صفحہ ۱۴ میں ہے۔ کہ

ابو نصر صالح قاضی القضاۃ اپنے والد ماجد سید عبدالرزاق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن میرے والد شریف حضرت جناب عالی غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لئے تشریف لیجارہے تھے۔ اور میں مع برادر مکرم سید عبدالوہاب جی قدس سرہ آپ کے ساتھ تھے کہ اتنے میں شاہی ملازم شراب کے پیپے لادے ہوئے بازار میں سے گذرے آپ نے فرمایا ٹھیرو۔ مگر وہ نہ ٹھیرے۔ بلکہ بیلوں کو جن پر شراب لدی ہوئی تھی ہانک کر جلد جلد چلایا۔ آپ نے بیلوں کو حکم دیا کہ ٹھیرو مت چلو وہ ایسا ٹھیرے کہ ہر چند ہانکنے والوں نے انہیں بہت مارا۔ مگر وہ نہ ہلے۔ اور مارنے والے درد قولنج سے بازار میں لوٹنے لگے۔ ادہر آپ نے پیپوں کو دیکھکر فرمایا۔ سب سرکہ ہو جاؤ۔ آخر انہوں نے اپنی گستاخی اور شرابی کی توبہ کی۔ اور جاکر پیپوں کو کھولا۔ تو سب سرکہ بھرے نکلے۔

شراب کے سرکہ ہو جانے کی کرامت بعینہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ مدارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۶۰۰ پر درج ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک شخص شراب کا پیپا لیکر گذرا۔ آپ نے پوچھا اس میں کیا ہے۔ اس نے جھوٹ بولا کہ اس میں سرکہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کرے یہ سرکہ ہی ہو۔ جب اس نے اپنی جگہ پر جاکر دیکھا۔ تو وہ سرکہ ہی نکلا۔ (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۶۹۴ مطبوعہ عامرہ شرقیہ مصر)

بہجۃ الاسرار کے صفحہ ۴۸ پر سنداً شیخ ابوالمظفر منصور بن مبارک واسطی واعظ معروف جرادہ سے درج ہے کہ میں جوانی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میرے پاس علمِ فلسفہ کی ایک کتاب تھی۔ آپ نے بِن دیکھے مجھسے فرمایا کہ یہ کتاب تیرا رفیق بد ہے۔ جا اسے دھو دے۔ یہ سنکر میں نے چاہا کہ یہاں سے اٹھوں اور اسے گھر رکھ چھوڑوں۔ اور پھر کبھی اسے لیکر آپ کے پاس نہ آؤنگا حضرت شیخ نے میرے اس خیال کو پاکر میری طرف تاکا۔ اور میں اپنے خیال پر اٹھنے کو تیار تھا۔ مگر نہ اٹھ سکا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کسی چیز نے باندھ رکھا ہے۔ فرمایا کتاب مجھے دکھا۔ میں اسے کھول کر دکھلانے لگا۔ دیکھتا ہوں کتاب کے تمام اوراق کورے ہیں۔ اور ساری کتاب میں ایک حرف بھی لکھا نہیں ہے۔ میں نے حیران ہوکر آپ کے آگے رکھدی۔ آپ نے اٹھاکر اسے دیکھا۔ اور فرمایا۔ یہ تو بہت عمدہ اور اچھی کتاب ہے۔ یہ تو ابن الضریس کی تصنیف فضائل القرآن ہے۔ لے اسے پڑھا کر۔ یہ کہکر کتاب مجھے پکڑا دی۔ میں نے کھول کر دیکھا۔ تو ٹھیک ہی فضائل القرآن خوشخط لکھی ہوئی پائی۔

یہ ہیں تصرف فی الوجود کی چند مثالیں۔ جو درحقیقت افعال الٰہی ہیں جنکا مظہر کوئی ایسا وجود ہوتا ہے۔ جسے خداوند کریم نے اپنی محبت کے لئے برگزیدہ کیا ہو۔ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۱۱ پر ہے

اما اذا بمعرفۃ اللہ ومحبتہ وقلّ انہ سبحانی تدبیر

هذا البدن واشرقت علیها انوار السماویة العرشیة المقدسة و فاضت علیها من تلک الانوار قویت علی التصرف فی اجسام هذا العالم مثل قوۃ الارواح الفلکیۃ علی هذا الاعمال

خلاصہ یہ کہ جب کوئی معرفت الٰہی اور محبت ذاتِ حق میں فنا پا چکے تو اس پر روح القدس جو اجسام دنیا میں تصرف کرنے کی قوت رکھتا ہے نازل ہوتا ہے۔

اس تصریف کو اس کے مترادف المعنے سے تکوین بھی کہتے ہیں جو آپ کو منجانب اللہ حاصل تھی۔ اور اولیاء اللہ کو عطا ہوتی ہے۔ اس کا ذکر خود جناب نے فتوح الغیب کے مقالہ ۱۶ و ۴۶ میں کیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہٖ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الا انا اقول للشئ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشئ کن فیکون یعنی اے ابن آدم میں وہ خدا ہوں کہ جب کسی چیز کو کہتا ہوں ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری تابعداری کر۔ تو میں تجھے ایسا کردونگا۔ کہ اگر تو بھی کسی چیز کو کہے گا۔ ہو جا۔ تو وہ ہو جائے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ درجہ بہت نبیوں اور ولیوں کو دیا گیا ہے۔ اور یہ وہی فنا ہے جو اولیاء و ابدال کا غائتِ احوال ہے۔ اور جب کسی کو درجہ تکوین دیا جاتا ہے تو جو کرنا چاہتا ہے دکہ وہ یہی مشیت الٰہی ہے) حکمِ ربانی سے ہو جاتا ہے۔ فلہذا آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں اگرچہ حضرت تقریب میں منفرد اور متوحد ہوں۔ لیکن اپنا کچھ اختیار نہیں۔ اس نے بمقتضائے علم ازلی مجھے اس قدر تک پہنچایا ہے۔ میرے مقابل میرے اس درجہ بلند کا منکر جو اپنے آپ کو

مشائخ ہیں گا لکبر کی ہونے کا منصب دار بیان کرتا ہے۔ تو کیا کمال ہے
کیونکہ وہ اگر کبر کی ہے۔ تو

۵ أَنَا الْبَازِي أَشْهَبُ كُلِّ شَيْخٍ
وَمَنْ ذَا فِي الرِّجَالِ أُعْطِيَ مِثَالِي

میں طاقتور باز ہوں سب مشائخ میں (یا مشائخ کے لئے) اور مشائخ میں ایسا کون ہے۔ جسے میرے جیسا درجہ دیا گیا ہو۔

آپ کے ہمعصر اولیاء اللہ بھی آپ کو باز اشہب کہا کرتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی شان سب سے اعلےٰ و ارفع ہے اور جہاں تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین کا گذر نہیں وہاں آپکو دخل ہے۔ اور جلال وجمال الٰہی کی سمائی جو آپ کے سینۂ فیض خزینہ میں ہے۔ وہ اور کسی کے سینہ میں نہیں اور گو آپ ہر وقت کے قرب و مشاہدہ سے باوجود اخشئے و اتقئے ہونے کے مانوس جلال احدیت ہو چکے ہیں۔ اگرچہ اپنا بلند پرواز ہونا لفظاً تو نہیں بتایا۔ لیکن معنےً اپنا شہباز ہونا جتا دیا ہے۔ شب معراج میں جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ سدرۃ المنتہےٰ میں رہ چکا اور اپنے ساتھ چلنے اس کو مثل حلس دیکھا (کشاف جلد ۲ صفحہ ۲۶۲) اور اسرافیل مثل بچہ گنجشک نظر آیا (شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ

اور تمام انبیاء و مرسلین کو اپنا مقتدی اور پیچھے دیکھا (صحاح ستہ حدیث معراج)
عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جب کسی کو کوئی اپنے سامنے چڑی یا مکھی
دیکھے۔ تو وہ اپنے آپ کو کیا بتا رہا ہے۔ حضرت غوث الاعظم رضؓ اگرچہ
اولیاء اللہ سے نسبتاً باز کا درجہ رکھتے ہیں۔ تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم جو مالک درجات رفیع۔ اور غوث الاعظم جیسے جن کے طفیلی ہیں۔
بے شک و شبہ شہباز ہیں۔ فافہم ولاتکونن من الممترین۔

اشہب وہ ہے جس کی سفیدی سیاہی پر غالب ہو۔ اس قسم
کا باز نہایت مضبوط اور بلند پرواز ہوتا ہے۔ اور شکار کرنے میں بڑا تیز۔ دوسرا
کوئی جانور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ باز اور بازی لغت تازی ہے۔ مگر
بازی فصیح (حیوۃ الحیوان) آپ اپنے آپ کو قوت صیادی کے لحاظ
سے باز کے ساتھ مشابہت دیتے ہیں۔ اور کل شیخ میں کل کا لام مکسور ا
اس لئے ہے کہ اس پر لام جارہ محذوف ہے۔ یعنی انا البازی الاشہب لکل
شیخ۔ ومن ذا فی الو

ومن ذا فی الرجال اعطے مثالی بہجۃ الاسرار صفحہ ۲۲
بسند صادقین ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں
کہ میں نے حضرت جناب شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ
کو کہتے ہوئے سنا۔ کہ انسانوں۔ جنوں، فرشتوں میں مشائخ مقرر ہیں۔
اور میں شیخ الکل ہوں۔ اور میں نے یہ بھی آپ کی زبان فیض ترجمان سے
سنا ہے جبکہ آپ اپنی مرض الموت میں اپنی اولاد کو وصیت کر رہے تھے

کہ میرے اور خلقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کسی اور کو میری برابر نہ سمجھنا۔

بعض خصائل و فضائل میں کوئی فرد ہوتا ہے۔ اور اس بات کے جاننے والے اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ ایکم مثلی دیا فمن ذاقی الرجال اعلی مثالی) کہدیتے ہیں۔ (مشکوۃ مطبوعہ نظامی دہلی صفحہ ۱۶۷) دیکھو ایکم مثلی جس کا مترادف ہے۔ فمن ذاقی الرجال اعلی مثالی۔

حضرت پیر صاحب کو صرف رجال میں اپنا بے مثال ہونا بیان کرتے ہیں اور رجال بحسب فرمودہ جناب بجالی داد خلوا انتم رجالی۔ آپ کے وہ مرید جن کی آپ نے اپنی نظر توجہ سے تربیت کی اور درجۂ قطبیت تک پہنچایا۔ پیروں کے پیر سید العارفین امام الاولیاء فی البلاد والبلوے جناب امیر المومنین مولے المتقین علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ تو جبرائیل و میکائل سے اپنا بے عدیل ہونا فرماتے ہیں۔ چنانچہ نزہتہ المجالس مطبوعہ میمنہ مصر کے صفحہ پر ہے۔ سلونی قبل ان تفقدونی عن علم لا یعلم جبرائیل ولا میکائیل اور کئی موقعہ پر بھی فرمایا ہے۔ و ایکم لہ سہم کسھی ۔ اور

جناب عالی کا مطلب تو یہ ہے کہ میں ہر شیخ کیلئے مثل باز اشہب کے ہوں۔ کہ بے روک شکار کر لیتا ہوں۔ یعنی میں قطب با اختیار ہوں۔ اور صاحب تصرف جوں چاہوں۔ تو کسی ولی کے حال کو سلب کر لیوں۔ مگر میں نے کبھی کسی شیخ کے حال کو بے وجہ سلب نہیں کیا۔ کیونکہ حق عز اسمہ مالک احوال نے

كَسَانِي خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ وَتَوَّجَنِي بِتِيجَانِ الْكَمَالِ ۹

تجھکو وہ خلعت پہنایا ہے جس پر اولوالعزمی (صبر واستقامت) کے نقش کئے ہوئے ہیں۔ اور مجھے کمال قرب وصال کے تاج بخشے۔

عزم اصطلاحاً مشاہدہ انوارِ ذاتیہ کو مقام لبقاء، وکمالِ قرب ہے اور جسکو یہ عطا ہوتا ہے۔ وہ بہت مقرب ہے۔ اس درجہ کو قطبیت کبریٰ بولتے ہیں۔ اور ہر ایک ایسے درجہ والے کو اُسکی حسب منزلت خلعت دیا جاتا ہے۔ جیسے بظاہر کسی صاحب منصب کو بادشاہوں کیطرف سے خلعت جس پر کوئی نشانِ عطیہ یا اس کے منصب کا نام خاص شاہی اصطلاحی حرفوں میں منقش ہوتا ہے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح باطنی درجہ والوں کو بھی بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف سے خلعت عطا ہوتے ہیں۔ جن پر خاص اعزازی نشان اور اس مقام کا نام جس پر وہ قائم ہوا۔ اصطلاحی حروف میں مطرز ہوتا ہے۔ مثلاً جو شخص کہ مقام واحدیت میں ممتاز ہوا اس کا خلعت آیۃ الکرسی ہے۔ اور نقش یعنی الٓمٓ۔ اور جو مقام احدیت میں فائز ہو۔ اس کا خلعت سورۂ اخلاص یعنی قل ہو اللہ احد کا اور نشان یعنی نقش ق ادر یہ مقام منتہی المقامات ہے۔ جو کسی منتہی الدرجات کو ملتا ہے اور اسی کا نام ولایت محمدیہ ہے۔ سوائے جناب محمد مصطفےٰ حبیب حق

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحلاً وجمتاً کسی نے اس کو طے نہیں کیا۔ اور اسکے انتہا کو نہیں پہنچا۔ آپکو حقیقتہً وحقیۃً عطا ہوا۔ اور ونکو آپ کی تبعیت و معیت میں ملا۔ والذین معہ میں اشارہ یہی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ درجہ آپکی ظاہری باطنی یا باطنی معیت حاصل کرنے والوں کو عطا ہوتا ہے۔ اور جب کسی ولی اللہ کو یہ درجہ دینا ہوتا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جو حقیقتہً والی ولایت و وارث مقام احدیت ہیں۔ اور سب درجے آپ ہی کی طفیل ملتے ہیں) بارگاہِ قدس جلّ جلالہ و عزّ شانہ میں اس کے لئے سفارش کرتے ہیں۔ بعد منظوری بمحضر مقربان بارگاہِ احدیت حاملانِ لوائے نبوّت و رسالت وکُبرائے واصلین وملائکہ مقربین اُس کو مجوزہ خلعت پہنایا جاتا ہے۔ اور تاجِ کمالیت سر پر رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ولایتِ محمدیہ میں بطورِ نیابت و خلافت حکومت کرے۔

بہجۃ الاسرار کے صفحہ ۸ پر بسندِ صحیح بقیدِ تاریخ وسنہ مروی ہے کہ شیخ الشیوخ معمر ابو المظفر منصور بن مبارک۔ اور امام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن نے بغداد ۶۱۰ھ میں بیان کیا کہ ہم نے سید شریف شیخ قدوۃ ابو سعید قیلوی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ کہتے تھے کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے قدمی ہذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ کہا۔ تو حق تعالیٰ نے آپکے دل پر تجلی کیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سے فرشتوں کی ایک جماعت آپ کے لائق منصب خلعت پہنانے کو حاضر ہوئی۔ جہاں تمام اولیاء اللہ گذشتہ وحال باجساد وارواح بصورت مثال

دبُرونراور رجال الغیب پا برہنہ۔ اور فرشتے اس قدر حاضر تھے کہ اُفق دکھائی نہیں دیتا تھا۔

شیخ مکارم قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ شیخ عبدالقادرؓ کے قدمی ہٰذہ الخ کہنے کے وقت مجھے خداوند کریم نے دکھایا۔ کہ کوئی ولی و ابدال کنارہ زمین پر باقی نہ رہا جو عَلَمِ قطبیت سید عبدالقادرؓ کے نیچے حاضر نہوا ہو۔ اسوقت تصریف عام نافذ فی الوجود کا خلعت جو نقوش شریعت و طریقت سے منقش اور طراز حقیقت سے مطرز تھا۔ آپ کو پہنایا گیا۔ اور تاج غوثیت آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا۔ تو ابدال عشرہ خواص مملکت سلاطین وقت۔ وارثان ولایت محمدیہ۔ ۱۔ شیخ بقا ربن بطو۔ ۲۔ شیخ ابو سعید قیلوی۔ ۳۔ شیخ علی بن ہیتی۔ ۴۔ شیخ عدی بن مسافر ۵۔ شیخ موسیٰ زوالی۔ ۶۔ شیخ احمدؒ رفاعی۔ ۷۔ شیخ احمدؒ طفشونجی۔ ۸۔ شیخ ابو محمدؒ عبداللہ بن عبداللہ مصری۔ ۹۔ شیخ حیاتؒ بن قیس حرانی۔ ۱۰۔ شیخ ابو مدین مغربی اس وقت حاضر تھے۔ (اصل کتاب دیکھو)

تیجان جمع تاج کی ہے۔ چونکہ مدارج قرب لامحدود ہیں۔ اور سالک ان مدارج کو بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے۔ تو جس درجہ پہ پہونچتا ہے۔ اسی درجہ کی خلعت اور تاج عطا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کمال کو پہونچ جاتا ہے۔ پھر اس کو درجہ کمال کی خلعت و تاج مرحمت ہوتا ہے۔ اور جب ایسی عزت کی۔ تو اپنی بادشاہی کے قوانین۔

۱۸ وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اور رازِ قدیم اور اسرارِ پوشیدہ پر بھی اطلاع دی۔ اور اس میں مجھے مقلّد یعنی تابعِ امر بنایا۔ کہ میں بے حکمِ فیاضِ ازلی کچھ نہیں بتا سکتا۔ اور جو میں نے مانگا سب مجھے دیا۔

سِرِّ قدیم اسرارِ ازلیہ ہیں۔ اور اسی میں سِرِّ علماء بھی ہے جس کا اشارہ بجواب اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ تَخْلِیْقِ الْخَلْقِ کے جواب کَانَ فِیْ عَمَاءٍ میں ہے۔ یہ وہی علم ہے جو موحی الیہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کا ہے۔ یہ وہی علم ہے۔ کہ جس کو یہ حاصل ہوا۔ وہ ماسواہ سے مستغنی ہوا۔

اصطلاحِ قوم میں غیب کو بھی کہتے ہیں۔ تفسیر تستری مطبوعہ میمنہ مصر سنہ ۱۳۲۹ھ کے صفحہ ۹ سطر ۱۳ میں ہے۔ (ترجمہ) ابوبکر کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابو محمد سہل تستری متوفی سنہ ۲۸۳ھ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت (سر الغیب) دی ہے؟ فرمایا ہاں دی ہے۔ حکمت بھی غیب بھی۔ اور میں نے اُس کے سرّ سے اس غیب کو لیا ہے۔ جس نے مجھے دیگر تمام عالم سے مستغنی کر دیا ہے۔

بیت میں۔ اَطْلَعَ۔ قَلَّدَ۔ اَعْطٰی متعدی مصدروں سے مشتق ہیں۔ یعنی خدا نے ہی مجھے واقف بنایا۔ اسی نے اپنے قابو میں رکھا۔ اُسنے مجھے جو مانگا دیا۔

خداوند علام الغیوب جس کو چاہے علم غیب دے۔ اس میں کوئی کسی کو انکار نہیں۔ البتہ اگر کوئی کہے۔ کہ میں بالذّات عالم الغیب ہوں۔ تو اس میں سب کو انکار ہے۔ اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے۔ اور حسبِ استعدادِ مُلہَم الہام کئی قسم کا ہے۔ اور جب کوئی ولی اللہ یہ کہے کہ خدا نے مجھے خبر دی ہے۔ جیسے کہ اس بیت میں ہے تو اس پر کیا اعتراض ہے۔ پیچھے کے چار بیتوں میں یمرفنی اور کسانی اور اطلعنی اور قلدنی اور اعطانی اور آگے کے بیت میں ولانی کا فاعل ذوالجلال ہے۔

سلسلۂ کلامی میں آپ نعمائے الٰہی کا اپنے پر بیان کرتے ہوئے ایک اور نعمت کا اظہار فرماتے ہیں۔ کہ علاوہ کسائے خلعت و عطائے تاجِ کمالیت مجھے اطلاع بر اسرارِ قدیمہ دی۔ اور میری خواہشوں کو پورا کیا۔

۱۱ وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا
فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ

اور مجھکو سب قطبوں پر سرداری اور حکمت عطا کی۔ سو میرا حکم ان پہ ان کی وساطت سے نیچے کے مشائخ پر یا دیگر اشیاء پر، ہر حال میں جا(ری) اقطاب و مادونہم پر آپ کا اولوالامر ہونا۔ اس بیت کے آگے

پیچھے جا بجا مذکور ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے الیواقیت و الجواہر مطبوعہ میمنہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸۱ میں اولوالامر اقطاب کو لکھا ہے کہ جن کی اطاعت بحکم اطیعواللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم کافۂ اہل اسلام پر واجب ہے۔ اور اگر اقطاب جو حکمائے امراضِ روحانی و شناسائے اغراضِ نفسانی ہیں مفروض الطاعۃ نہیں۔ تو پھر اور کون ہیں آپ کا دعوے بشہادتِ ابدال واقطاب کما مَرّ یہ ہے کہ میں ان اولوالامروں پر بھی اولوالامر ہوں جو ارکانِ عالم ہیں۔ اور صرف اشیائے حِسّی مثلاً انسانوں پر ہی جو مادوں سے مرکب ہیں۔ حکم جاری نہیں۔ بلکہ اللہ کے کرائے مادوں پر بھی مثلاً آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی وغیرہ پر میرا حکم ہے۔ اور غیرِ حِسّی اشیاء مثلاً سال و ماہ بھی میرے ایسے تابعدار ہیں کہ ان میں جو گذرنا ہو۔ اُس کی مجھے خبر دیکر دنیا پر گذرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ خدا اُس کی مانتا ہے جو اس کی تابعداری کرتا ہے۔ یہ آپ نے ابو طالب کو فرمایا۔ جبکہ اس نے کہا تھا۔ اِنَّ رَبَّکَ الَّذِی تعبدُ لَیُطِیعُکَ اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تیرا رب تیری مانتا ہے (انوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ صفحہ ۳۲۶)

اور یہ بھی حدیث میں ہے۔ کہ جب کسی بندہ کو خدا تعالےٰ اپنا پیارا بنا لیتا ہے تو جبرائیل کو حکم دیتا ہے کہ تو تمام عالم ارض و سما میں منادی کر دے کہ میں نے جس کو اپنا پیارا بنایا ہے۔ تم سب جو زمین و آسمان کے رہنے والے ہو اُسے اپنا پیارا بنالو (مشکوٰۃ) اس حکم کو سن کر سب

چیزیں اُسی کو اپنے دل میں جگہ دے رکھتی ہیں۔ اور جو وہ کہے مانتی ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کا محبوب ہے۔ وہ خود اس کی مانتا ہے۔

انبیاء و اولیاء کو خدا کی تابعداری سے یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علےٰ نبینا و علیہ السلام خدا کے پیارے اور فرمانبردار تھے۔ جن بھوت۔ کیڑے۔ مکوڑے۔ درند۔ پرند۔ بر و بحر۔ آگ۔ پانی۔ بادل۔ ہوا پر آپ کا حکم جاری تھا۔ ایسے ہی دیگر رسُل و انبیاء علیہم السلام مثلاً سید الرسل و افضل الانبیاء جناب محمدؐ مصطفےٰ علیہ و آلہ التحیۃ و الثناء کہ خدا کے محبوب اور فرمانبردار تھے۔ خدا کی سب چیزیں آپ کی تابعدار تھیں۔ بلکہ آپ کے بعد بھی آپ کو پہچانتی اور مانتی ہیں۔ چنانچہ آپ کے غلام سفینہ پر جب شیر نے حملہ کیا۔ تو اس نے آپ کا نام لے کر جتا دیا کہ میں اُن کا غلام ہوں۔ وہ شیر اُس کا غلام ہو گیا حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۴ رواہ البزار و الطبرانی و الحاکم و البیہقی فی دلائل النبوت۔

حضور فیض گنجور محبوب حق سید کائنات علیہ و آلہ الصلوٰۃ بادلوں کو انگلی کے اشارہ سے جدھر چاہتے بھیج دیتے۔ (بخاری و مشکوٰۃ) آپ کی جنوں۔ انسانوں۔ چرند۔ پرند۔ درند وغیرہ اشیاء پر حکمرانی کی مثال محتاج قال نہیں۔

عمار یاسرؓ کے لئے آپ نے آگ کو سرد ہونے کا حکم دیا۔ پہاڑ کو جبکہ وہ کانپ رہا تھا ٹھہر جانے کا۔ درختوں کو آپس میں الجھانے اور پھر جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ جا ٹھہرنے کا۔ پتھر کنکر کو بولنے کا۔ اسیطرح حیوانوں پر بھی آپ کا حکم تھا۔

غرض آپ کا حکم ہر ہستی وغیر ہستی اشیاء پر جاری ہونا روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کو خط لکھنا۔ اور بہ تعمیل حکم اس کا بھر کر جاری ہونا۔ (چنانچہ تفسیر کبیر جلد پنجم مطبوعہ شرقیہ مصر کے صفحہ ۲۶۵ میں ہے) اور مولائے مرتضےٰ علی کرم اللہ وجہہ کا دریا کے پانی کو اتارنا معتبر ذرائع سے مروی ہے۔ پھر بعد از صحابہ و آئمہ اہلبیت آپ کی اُمت کے اولیاء اللہ کو بحسب قانون قدیم والذین اوتوا العلم درجات (یعنی جنکو ہمارا علم دیا جاتا ہے۔ وہی صاحب درجات ہیں اور حسب منشاء آئے مقرب اعظم۔ مجری قواعد ربانی منفذ احکام سبحانی۔ شفیع ہر عاصی وجانی۔ اولئک قلوبھم مصابیح الھدےٰ یخرجون من کل غبراء مظلمہ (یعنی یہ وہی ہیں جن کے دل چراغ روشن ہیں) اور مظہر اسرار ازلیہ۔ راوی روایات قدسیہ وانا علی قدم جدی محمد میں اپنے جد امجد محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہوں۔) سب اشیاء پر اختیار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت غوثیہؒ فرماتے ہیں۔ کہ جبکہ حق تعالےٰ مالک اشیاء کسی کو ایسا کر سکتا ہے۔ اور کر دیتا ہے۔ کہ وہ بحسب شواہد بالاکن وکلمہ امر الٰہی) سے کچھ کر سکے اور اسی کو اپنا روح اور اپنا کلمہ بنا لیتا ہے۔ چنانچہ مجھکو بھی یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ اور روح حق وسر لطیف مجھکو بخشا ہے۔

۱۲	فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

تو اگر میں اپنے سر کو یعنی قوتِ ارادی کو جو اثر فیضانِ ارادتِ آلہی ہے اور ہر وقت قلب واصل و مقرب میں ہوتی ہے۔ دریاؤں میں ڈال دوں تو وہ حکم کو مان کر خشک ہو جائیں۔

یہ ترجمہ سلسلۂ کلامی کی ترتیب سے ہے۔ لیکن ظہور معانی کے لحاظ سے یہ کہ جس سر کو میرے دل نے اٹھایا ہے۔ وہ اگر میں دریاؤں میں ڈالوں۔ تو وہ برداشت نہ کر سکیں۔ اور ہیبت و خوف کے مارے نیست ہو جائیں۔ پس سر سے مراد وہ امانتِ آلہی ہے جسکو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوت والارض فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان وکان الانسان ظلوما جھولا۔

آیہ کریمہ میں انسان سے مراد انسانِ کامل ہے۔ ظلوم نفسِ بد پر ظلم کرنے والا۔ اس کو مقہور و مغلوب کرنے والا۔ جہول جاہل من غیر اللہ و عالم بہٖ۔ کیونکہ اگر ظلوم و جہول کے معنی وہی کریں جو اہلِ لغت اصحابِ ظواہر کرتے ہیں۔ پھر طلاقتِ لفظ انسان دشمنِ ایمان ہے۔ کیونکہ انسان رسل و انبیاء سیّما علے افضل الرسل والانبیاء پر بھی

بولا جاتا ہے۔

یہی وہ سرّ ہے۔ جو جناب فخرِ رسالت۔ مالکِ نعمت و برکت نے ایک پیالہ پانی پر وفور و کثرت کے لئے اپنے دستِ فیض پیوست سے ڈالا تھا جبکہ جنگِ تبوک میں قلتِ آب کی شکایت سُنی۔ تو پانی فوّارے کی طرح آپ کی انگلیوں کی گانٹھوں سے نکلا۔ (انوارالمحمدیہ صفحہ ۱۸۲ اور مشکوٰۃ بذکر جنگِ حدیبیہ صفحہ ۵۲۴)

اسی سرّ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصورت حرفیہ لکھکر دور سے بقوتِ ارادیہ اُچھل آنے کے لئے۔ اور حضرت علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ نے فرد ہونے کیلئے نوکِ کمان پر رکھکر دریا میں ڈالا تھا۔ حضرت علا حضرمی رضی اللہ عنہ اسفارِ حروبی سے کسی سفر میں ایک دریا پر پہونچے جس کے پار جانا تھا۔ لیکن وہاں کشتی نہ تھی۔ تو آپ نے اسی سرّ کو دریا میں ڈال دیا۔ اور جیسے کہ خشکی پر چلے آتے تھے۔ سوکھے پیر اوپر سے پار ہو لئے۔ (حیوٰۃ الحیوان علامہ دمیری شافعی جلد اول صفحہ ۱۱۴)

یہ سرّ (قوتِ ارادی) حقیقت میں ارادتِ الٰہیہ کے فیضان کا وہ اثر ہے۔ کہ جس سے امرِ تکوین وابستہ ہے۔ چنانچہ کلامِ قدس (وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ) اس کا شاہد ہے۔ واصل چونکہ اپنے تمام ارادوں کو ارادۂ الٰہی میں فنا کر چکا ہے اس لئے اس سے ظہورِ ارادۂ باری اس طرح ہوتا ہے جیسے کہ آپ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرَّہٗ فِیْ جِبَالٍ
لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ ۳۱

اور اگر میں اُسی سرّ کو پہاڑوں پر ڈالوں۔ تو وہ ذرّہ ذرّہ ہو کر اڑ جائیں اور ریگ میں ناپدید ہو جائیں۔ یعنی تجلے الٰہی کی برداشت نہ کر سکیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلما تجلے ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسےٰ صعقا سلسلہ کلامی میں پہاڑ کے فرمانبردار اور حکم ماننے کا ذکر ہے جو سرّ قدیم کے اثر کے خواص سے ہے۔ آیہ لو انزلنا ھذا القرآن علے جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ میں قرآن سے مراد اسی سرّ کی ہے۔ جو حق تعالیٰ اپنے علم میں لائق جان کر کسی بندے کو عطا فرماتا ہے۔ جن عالموں نے خواص قرآنی کے تجربے کئے ہیں۔ وہ انکار نہیں کر سکتے۔ شمس المعارف الکبرے۔ مجربات علامہ دیربی تاج الملوک جواہر خمسہ۔ در النظیم فی خواص قرآن العظیم۔ الدار والدوا۔ و دیگر کتب اعمالِ قرآنی۔ دیکھنے اور عمل کرنے سے یقین ہو سکتا ہے۔ علمار کے نزدیک تو نہ معلوم کہ اس آیہ ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتی بل اللہ الامر جمیعا کے معنی کیا ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ کہ اور کیوں نہ قرآن ایسا ہوتا۔ کہ اس سے پہاڑ چلا دیئے جاتے۔ یا زمین کاٹ دی جاتی۔ یا مُردہ

سے اُس کے اثر سے باتیں کرائی جاتیں۔ یعنی مُردہ زندہ ہوتا تو کہہ یہ مشکل ہے؟ بلکہ ایسے کام تمام اللہ کے لئے مسلم ہیں۔ یعنی خدا کے کلام سے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔

اِن آیتوں میں سرّ کا لفظ ضمیر متکلم مضاف الیہ کے ساتھ کا مشار الیہ وہی سرّ قدیم ہے۔ جو منبع قوتِ تصریفی ہے۔ اور کہ جس کا مُطلِع وہ مُعطِی ذاتِ خالقِ کائنات کو قرار دیا گیا ہے۔ اور اصطلاح قوم میں کا ہے سرّ قدیم سے مراد کلامِ قدیم بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ذاتِ قدیم کے صفات بھی قدیم ہیں۔ اور اقطاب کو اسرارِ کلامی مثلاً قرآن مجید کے اصطلاحات مقطعات و مشابہات کے معانی وخواص عطا کئے جاتے ہیں۔ وہ اسی سے کرتے ہیں جو کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کی رات اپنے دشمنوں کی آنکھوں کے نیچے سے فاغشینٰھم فھم لا یبصرون پڑھکر نکل جانا اور جنگ بدر میں ایک مُشت کنکر کو شاھت الوجوہ[۲] کہکر پھینکنا۔ اور لاکھوں بہادروں کو بھگا دینا کلامِ قدیم کا اثر تھا۔ صحابہ کرام وائمہ عظام واولیائے امت کو یہ معانی وخواصِ کلامِ قدیم وراثتہً علٰی حسب المراتب سینہ فیضِ خزینہ مصطفویہ سے ملے۔ وللاولیاء منہا حظ وافر ومن شاء الاطلاع علیہا فلینظر فی کتب المقامات۔ سرّ اللہ کے اثر سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور سب چیز صاحب السرّ کے زیر تصرف ہے۔ حضرت غوثیہ فرماتے ہیں۔ چونکہ مجھے وہ سرّ حاصل ہے اور میں صاحب السرّ ہوں۔ اسلئے اشیاء میرے زیر تصرف

[۲] الانوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵-۱۲ ۱۵۲ الانوار صفحہ ۳-۱۲

ہیں۔ جیسے دریاؤں، پہاڑوں پر سرّ ڈال دینے سے میرا تصرف ہے۔ ویسی ہے۔

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ ۱۷
لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

اگر میں اسی بھید کو آگ پر ڈال دوں۔ تو وہ ہر چند کہ سب کو جلا دینے والی ہے۔ اور غالب ہے۔ پر میرے سرّ حال[1] (سر اللہ) سے جیسا کہ میں چاہوں میرے تصرف کو قبول کرے۔ اور سرد ہو کر نیست ہو جائے۔

ظہور معانی کے لحاظ سے معنی یہ کہ جس چیز کو میں اٹھائے ہوئے ہوں، اس کو اگر آگے کے سامنے کروں۔ تو وہ متحمل نہ ہو۔ اور اسکی برداشت سے عاجز ہو کر اپنے آپ میں رہ چکے۔

[1] حال بے اختیاری سے جو قلب پر وارد ہو یہی حال اگر ہمیشہ رہے۔ اور ملکہ راسخ ہو جاوے تو اسے مقام بولتے ہیں۔ پچھلے سے پچھلے بیت مقامی فوقکم با نال حالی میں یہی مقام مراد ہے۔ اور حال و مقام میں فرق یہ ہے۔ کہ حال وہبی ہوتا ہے۔ اور مقام کسبی۔ اور سرّ حال سے مراد اس قوت کی ہے جو مواہب الٰہی سے حاصل ہو۔ اور پھر وہ ملکہ راسخ ہو کر وجود صاحب السرّ میں متمکن ہو جب مقام تک پہنچ جائے۔ تو اس کا ظہور بوجہ کمال ہو۔ ۱۲

جس شخص کے دل میں یہ سرّ ہوتا ہے وہ صاحب السّر ہے۔ اور قرآن کریم میں اسے مومن کہا گیا ہے۔ اور یہ درجہ بہت ہی بڑا ہے۔ ولما یدخل الایمان فی قلوبھم میں یہی ایمان مشارالیہ ہے۔ اور چونکہ قلب ایمان یقین ہے۔ اور وہ مشاہدہ سرّ ہے اور مشاہدہ معبّر باطمینان ہے۔ جو نتیجہ شہودِ علمی ہے۔ ایسے ایمان والا صاحب تصرف بھی ہوتا ہے اور تصرف فی الاشیاء درجہ تکوین ہے۔ چنانچہ سیّدنا حضرت ابراہیم علےٰ نبینا و علیہ وعلیہم السّلام اعلےٰ درجہ کے مومن موحّد تھے۔ اور اقامت حجج قاطعہ براہین ساطعۂ توحید کے لئے اُنکو تصرف عطا ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے ازدیادِ یقین کے لئے مشاہدۂ قلبی پر شہودِ علمی کا سوال کیا۔ یعنی تصرف کو برت کر دیکھنے کی اجازت لی۔ اور دیکھ لیا۔

مقربین اور واصلین کو ہر حالت و ہر آن ہر حرکت۔ ہر سکون میں اذن لینا پڑتا ہے۔ اور بے شک و شبہ اگرچہ تصرف اذن معنوی ہے۔ لیکن مقرب کو چہرۂ بے مثل دیکھنا پڑتا ہے۔ ف امر۔ اذن۔ حکم تین لفظ ہیں لغتہً امر کسی کام کے کرنے کے لئے۔ اذن مالک اذن کے چہرہ سے اس کی مرضی معلوم کرنے کیلئے۔ اور حکم فصل متنازعات کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ آیہ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ اور احی الموتی باذن اللہ میں مقربوں کے لئے اذن کا یہی معنی ہے۔

بوقتِ ضرورت مثلاً کسی کے انکارِ حق یا نصرتِ مظلوم یا کسی طالب ثبوت کے لئے انبیاء و اولیاء کو تصریف بذریعہ اسی سرّ کے جو اُس کو

عطا ہو۔ اور اس کے خواص سے ظہورِ فعل مطلوب ہے عمل میں لانا پڑتا ہے۔
چنانچہ کتاب مظاہر حق جلد ۴ باب جامع المناقب صفحہ ۵۴۰ میں ہے کہ
عمار رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ اور ان مستضعفین میں سے تھے جن
کو ترکِ اسلام کرانے کے لئے بہت تکلیف دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ
ایک دن مشرکوں نے آگ جلاکر ان کو ڈالدینا چاہا۔ اتفاقاً جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ دیکھکر فرمایا۔ یانار کونی
بردًا وسلامًا علی عمار کما کنت علےٰ ابراہیم علیہ السلام یعنی اے
آگ عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔ اور اسے تکلیف نہ دے۔ جیسے تو ابراہیم
علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی۔ ایک دفعہ مدینہ شریف کے کسی محلہ میں
آگ لگ گئی۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی۔ آپ نے ایک ٹھیکری پر یہ لکھکر
یانار اسکنی باذن اللہ (اے آگ اللہ کے حکم سے بجھ جا) حکم دیا
کہ اس کو آگ میں ڈال دو۔ وہ آگ فوراً بجھ گئی۔ (کبیر صفحہ ۴۶۵)

چونکہ دریا کو متغائر، پہاڑ کو ریگ میں مختفی۔ اور آگ کو منطفی کرنے سے روح
کا کسی جسم میں جسکو وہ چھوڑ گیا ہو واپس لانا بہت بڑی بات ہے۔ اور یہی کیلئے
منجانب اللہ ہونے کا۔ اور ولی کیلئے بقدرۃ اللہ ہونیکا بھاری ثبوت ہے۔ اسلئے
آخر پر فرماتے ہیں۔ میرے سر سے دریا خشک ہو جائیں۔ پہاڑ ملجائیں۔ آگ بجھ جائے۔

متن	وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّيْ فَوْقَ مَيْتٍ لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى	۱۵

اور اگر میں اپنے اُسی سر کو جو سر اللہ ہے، کسی مردہ پر ڈالدوں۔ تو بحکم مولی ابر تر وہ بھی زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہو۔ اور میری طرف چل آئے۔

اسی سر کو امر بھی کہتے ہیں۔ اور آیۂ قل الروح من امر ربی میں اسی امر کی مراد ہے۔

بہجۃ الاسرار مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۴ھ کے صفحہ ۶۵ پر ہے۔ خبر دی ہمکو ابو محمد صالح بن یحییٰ بن محمد قرشی بغدادی نے قاہرہ میں سنہ ۶۷۳ھ میں انہوں نے کہا خبر دی۔ ہم کو شیخ ابوالحسن علی بن سلیمن بغدادی معروف بہ خباز نے بغداد میں سنہ ۶۴۱ھ میں۔ انہوں نے کہا خبر دی ہمکو عمران کیمانی اور بزار نے۔ اور خبر دی ہمکو ابو الفتوح محمد بن عبداللہ بن ابی المحاسن اسمعیل قرشی تمیمی قطفنی نے قاہرہ میں سنہ ۶۶۹ھ میں۔ انہوں نے کہا خبر دی ہمکو شیخ ابوالحسن علی بن شیخ ابی المجد بن مبارک بن ظاہر حریمی نے حریم میں سنہ ۶۱۵ھ میں اور شیخ ابوالحسن مشہور بخفاف بغدادی نے بغداد سنہ ۶۲۰ھ میں ان دونوں نے کہا خبر دی ہمکو ہمارے شیخ ابو سعود مشہور بہ مدلل نے بغداد میں سنہ ۵۷۹ھ میں۔ اور خبر دی ہم کو ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابی بکر ابہری ثم البغدادی نے قاہرہ میں سنہ ۶۷۰ھ میں۔ اور شیخ ابوالحسن علی مذکور اور شیخ ابوالحسن خفاف نے کہا ان دونوں نے، خبر دی ہمکو ابو طاہر خلیل بن شیخ ابی العباس احمد بن علی صرصری نے صرصر میں سنہ ۶۳۰ھ میں۔ کہا خبر دی ہم کو میرے باپ نے۔ اور بھی خبر دی ہمکو ابوالحسن علی بن زکریا بن یحییٰ بن ابی القاسم ازجی نے قاہرہ میں سنہ ۶۷۱ھ میں۔ انہوں نے کہا خبر دی ہم کو

قاضی القضاۃ ابو صالح نصر بن حافظ ابی بکر عبد الرزاق۔ اور شیخ ابو الفضل اسحٰق بن احمد علشی نے بغداد میں سنہ ۶۳۲ھ میں۔ ان دونوں نے کہا خبر دی ہم کو حافظ ابو بکر عبد الرزاق رضی اللہ عنہ نے بغداد میں سنہ ۶۱۰ھ میں اور خبر دی ہمکو شیخ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن شیخ علامہ عماد الدین ابی اسحٰق ابراہیم بن عبد الواحد مقدسی حنبلی نے قاہرہ میں سنہ ۶۷۴ھ میں۔ کہا خبر دی ہمکو شیخ شریف ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد اللہ مشہور بہ ابن منصور نے بغداد میں سنہ ۶۳۱ھ میں۔ کہا خبر دی ہم کو شیخ قدوہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی المعالی بن قائد الاوانی نے سنہ ۵۸۲ھ میں۔ د سب نے کہا کہ ایک عورت نے جناب شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حضور میں اپنے لڑکے کو حاضر کرکے عرض کیا۔ کہ آپ سے دلی محبت رکھتا ہے اور کسی کام کاج میں جی نہیں لگاتا۔ اس لئے میں آپ کے حضور میں اسے چھوڑتی ہوں۔ آپ اسے رکھیں۔ اگر آپکی خدمت میں رہے تو میں اسے اپنا حق بخشتی ہوں۔ آپ نے اُسے بطریق سلف مجاہدہ و ریاضت پر لگا دیا۔ ایک دن وہ عورت اپنے بیٹے کو دیکھنے آئی۔ دیکھا کہ وہ نہایت لاغر۔ اور بھوک و بیخوابی سے زرد چہرہ ہے۔ اور جو کی روٹی کا سوکھا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑا ہے۔ سخت اندوہناک ہوکر آپ کے پاس آئی۔ دیکھا آپ بھُنی ہوئی ککڑی کھا رہے ہیں۔ وہ رہ نہ سکی اور بولی کہ آپ ککڑی بھُنی کھا رہے ہیں اور میرا بیٹا جو کی روٹی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب کھانا کھا چکے تو اس عورت کے بچے ہوئی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ قومی باذن اللہ الذی یحی العظام وھی رمیم

وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کڑکڑ کرتی چلی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا بیٹا بھی جب اس مقام تک پہونچے گا۔ تو میری طرح یہی کھائے گا۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی باذن اللہ بہت مُردے جلائے ہیں۔ چنانچہ کتب حدیث و آثار میں سب مذکور ہے۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص کو آپ نے دعوت اسلام کی اس نے کہا اگر آپ میری بیٹی کو جو مر گئی ہوئی ہے۔ زندہ کر دیں۔ تو مان لونگا کہ آپ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور اسلام سچا ہے۔ فرمایا چل مجھے اس کی قبر دکھا۔ آپ نے قبر پر کھڑے ہو کر لڑکی کو بلایا۔ وہ لبیک کہتی ہوئی حاضر ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تو دنیا میں زندہ رہنا چاہتی ہے اس نے کہا نہیں۔ جو خدا کے پاس نعمتیں ہیں وہ دنیا میں کہاں۔ انوار المحمدیہ صفحہ ۲۷۸ شرح شفا علی قاری جلد ا صفحہ ۶۴۳۔

آپ کے زیر سایہ یعنی ظلی طور پر یہ کرامت صحابہ و ائمہ اہلبیت رضوان اللہ علیہم کو بھی حاصل تھی۔ مدارج النبوت۔ شواہد النبوت مواہب اللدنیہ شفا۔ و اخبار ائمہ آلِ اطہار سے عیاں ہے۔ حضرت پیر صاحب کو بھی یہ کرامت جناب مصطفویہ کے ظلی ہونے سے حاصل ہے۔

جتنی اشیاء کے زیرِ حکم ہونے کے بیان سے فارغ ہو کر غیر جسّی اشیاء کے تابع امر ہونے کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ اہلِ زمانہ ہی (احیاءً و امواتاً) نہ صرف میرے حکم میں ہیں۔ بلکہ خود زمانہ بھی میرا فرمانبردار ہے۔ کہ کوئی وقت

۱۶ وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ
تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ

اور کوئی ایسا مہینہ و سال نہیں ہے جو دنیا پر گذرے اور پہلے میرے پاس نہ آلے۔

۱۷ وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاْتِیْ وَیَجْرِیْ
وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِیْ

اور خبر نہ دے لے کہ مجھ میں مثلاً یہ کچھ گذرے گا۔ اور یہ واقعات ظاہر ہوں گے۔ سو تو اے مخاطب چونکہ اس درجہ سے محروم ہے۔ اور بے خبر اس لئے میری بات کا انکار نہ کر۔ دکیونکہ میں صاحب درجہ ہوں اور مجھے خبر ہے)

کتاب بہجۃ الاسرار مطبوعہ مصر ۱۳۰۴ھ صفحہ ۲۱ پر ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے دمصنف کتاب کہتا ہے۔ خبر دی ہم کو عبدالسلام بن ابی عبداللہ محمد بن عبدالسلام بن ابراہیم بن عبدالسلام نے دجو در اصل بصرہ کے تھے اور بغداد میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں سکونت کی تھی) ۶۷۱ھ میں کہا۔ خبر دی ہمکو شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان بغدادی خباز نے بغداد میں ۶۳۳ھ میں۔ کہا خبر دی ہمکو شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعود بزاز اور شیخ

ابو حفص عمر کیماتی نے بغداد ۵۹۱ھ میں۔ ان دونوں نے کہا کہ حضرت الشیوخ شیخنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کے دیکھتے ہوا پر چلے جارہے تھے۔ اور فرمارہے تھے کہ سورج جب تک مجھے سلام نہ کرے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہو وہ نہ بتائے۔ اور مجھے عزت رجلال کی قسم ہے کہ سعید و شقی لوحِ محفوظ پر میرے سامنے کئے جاتے ہیں۔ اور میں علم الٰہی اور مشاہدہ ربّانی کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں۔ اور میں تم سب پر حجت اللہ ہوں۔ میں جناب رسول اللہ کا نائب اور وارث ہوں۔ فافہم ولا تجادل۔

خبر دی ہمکو ابو محمد بن حسن بن ابی القاسم احمد بن محمد بن شیخ ابی القاسم ولف بن احمد بن محمد بغدادی حریمی نے قاہرہ میں ۶۶۶ھ میں۔ کہا خبر دی ہم کو میرے جدّ بزرگوار محمد نے بغداد میں ۶۲۵ھ میں۔ کہا خبر دی ہمکو ابوالقاسم ولف نے ۶۹۱ھ میں۔ اور کہا کہ میں اور ابو سعید ابو بکر خوضی اور شیخ ابوالخیر بشر بن محفوظ بن غنیمہ اور شیخ ابو حفص عمر کیمیاوی۔ اور شیخ ابوالعباس احمد اسکافی اور شیخ سیف الدین عبدالوہاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جمعہ کے دن پچھلے پہر۔ ۲۹ رجمادی الاوّل ۵۶۰ھ میں حاضر تھے۔ اور آپ ہم سب کو مخاطب کرکے کچھ فرمارہے تھے۔ کہ ہمارے دیکھتے ایک خوبصورت جوان آنکلا۔ اور سلام کرکے آپ کی طرف ہو بیٹھا۔ اور عرض کیا کہ میں رجب کا مہینہ ہوں۔ اور میں آپ کو اُن واقعات کی خبر دینے آیا ہوں۔ جو مجھ میں

لوگوں کو آرام وراحت ہوگی۔ سو ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ اور رجب کا سارا مہینہ کسی کو کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ جب انتیسویں ہوئی۔ تو اتفاقاً اس روز بھی ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہمارے دیکھتے ایک بدصورت شخص آ نکلا۔ اور سلام کر کے بیان کیا۔ کہ میں ماہِ شعبان ہوں۔ اسلئے آیا ہوں۔ کہ آپ کو ان واقعات کی خبر دوں۔ جو مجھ میں ہونگے بغداد میں موت پڑے گی۔ حجاز میں قحط۔ خراسان میں جنگ۔ سو ایسا ہی ہوا اسی طرح رمضان شریف کو بھی اچھی صورت۔ تجمل و وقار میں دیکھا۔ یہ ہیں سچوں کی روائتیں۔ فما ظنک ایہا المعترض فیہؤلاء الصلحا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہر ایک عمل بصورتِ مناسب متصوّر ہوتا ہے۔ (خازن جلد ۲۔ صفحہ ۴۷) احادیث میں ہر ایک عمل کا بعد الموت متصوّر ہو کر پیش آنا ثابت ہے۔ تفسیر خازن مطبوعہ میمنہ مصر جلد ۷۔ صفحہ ۱۲ سطر ۱۳۔

بیہقی نے شعب الایمان میں عبد الحمید بن محمود سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا۔ ہم چند آدمی حج کو آئے تھے۔ جب صفاح میں پہونچے تو ایک ہم میں سے مر گیا۔ اس کے لئے ہم نے قبر کھودی۔ ناگہاں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک سیاہ اژدھا لحد کو مِل کر بیٹھا ہے۔ ہم نے وہ چھوڑ دی۔ اور ایک اور جگہ کھودی اس میں بھی ویسا ہی دیکھا۔ پھر ایک اور جگہ کھودی۔ تو ویسا ہی نظر آیا۔ حیران ہو کر آپ کی خدمت میں عرض کی گئی ہے۔ کہ کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا وہ اژدہا نہیں۔ اس کی عملوں کی صورت ہے۔ جاؤ ان قبروں سے کسی میں دبا

دو۔ یہ شخص گندم کا آٹا بیچا کرتا تھا۔ اور اس آٹے سے اپنا وزن کا قوت نکالکر بقدر اُس کے جو کا آٹا ملا رکھتا تھا۔ (حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۲۲۳)

اگرچہ ہمارے ہاں غیر جسمی اشیاء کی کوئی صورت مرئیہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب کی صورت ہے۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ام ملدم اور طاعون کو اپنی مناسب شکل میں دیکھا۔ (جامع صغیر مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۲۱ھ جلد ا صفحہ ۵۔ سطر ۱۲۔ و دیگر کتب حدیث) اور جمعہ کو آپ نے شیشۂ روشن کی شکل میں دیکھا۔ (اشعۃ اللمعہ فی انوار الجمعہ) آپ نے دنیا کو اسکی مناسب صورت میں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ عرضت علےّ الدنیا لیلۃ اسریٰ بی فی صورۃ امراۃ حاسرۃ الذراعین فقلت لھا انی طلقتک ثلاثا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ کسی نے اگر کسی کو کچھ راحت دی۔ تو قبر میں اس کا یہ فعل (راحت) بصورت مہربان فرشتہ ہیبت اسکے پاس آئیگا۔ اور اسکی دلداری کریگا۔ (مستطرف صفحہ ۱۲۷ رواہ ابن ابی الدنیا) یہ بھی فرمایا ہے کہ سورۂ الم تنزیل پڑھنے والے کے لئے یہ سورہ ایک جانور کی شکل میں ہوکر آئے گی۔ اور اس پر اپنے پر رکھدے گی۔

حضرت غوثیہ فرماتے ہیں جبکہ مجھے ماجرائے دہور و شہور کی خبر ہے تو کیا مجھکو مریدوں کی خبر نہ ہوگی۔ دن۔ مہینے صورت پذیر ہوکر میرے سامنے آویں۔ تو میں اُن سے نیک و بد کو پہچان لوں۔ مرید کے بشرنے سے مجھے کوئی کیفیت معلوم نہ ہو۔ خداوند جلّ و علا نے جیسے مجھے اوقات و ساعات

کی خبر دے رکھی ہے۔ ویسے ہی اُس نے مجھے مریدوں کے انجام وختام کی خبر دی ہوئی ہے (دیکھو شرح بیت دوئم قصیدہ) اور مجھے یہ بھی بشارت دی ہے کہ جو میرا سچا مرید ہے اور میرے راہ (کتاب وسنّت) پر ہے۔ وہ کبھی راہ حق سے نہ پھرے گا۔ اور وہ نجات پائے گا۔ لہٰذا میں اسے پکار کر کہتا ہوں کہ۔

۱۸ مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ
وَافْعَلْ مَا تَشَآءُ فَالْاِسْمُ عَالٍ

میرے مرید! (حق قبول کرنے اور راہِ خدا میں چلنے کیلئے) تیار و کوشاں رہ اور اس کے افعال پر (بہ نسبت اپنے) خوش دل رہ اور (عنایاتِ الٰہی کو بجالِ خود تحدیثاً بنعمۃ اللہ) بیباک بیان کر۔ اور (ماسوی اللہ سے) بے نیاز رہ۔ اور (محرمات سے بچکر مباحات میں بضرورت) جو جی چاہے کر لے۔ کیونکہ اسم حق (جو میرے پاس ہے وہ سب سے) بلند تر ہے۔

آپ کا وظیفہ اسم حق ظاہر تھا۔ (کان لہ خطا وافرا بہا۔ اور آپ اس کے اثر خواص سے فنا محض اور بوجہ اتم محویت پا چکے تھے۔ علامہ بونی رحمتہ اللہ علیہ شمس المعارف الکبریٰ نے جلد ۲ صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں کہ اسم ظاہر عالی قدر اور سر جلی الامر ہے۔ اس کی مواظبت کرنے والے کے تمام امور مخفی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور امام شبراوی شرح اسماء حسنےٰ میں لکھتے ہیں۔ کہ اس

اسم کے ورد رکھنے والے کو نورِ ولایت حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا مواظبہ تھا۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ جو مقبولِ محدثین و فقہاء و صوفیہ سُنیّہ گذرے ہیں۔ اپنی کتاب کبریت احمر (مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۵۳) میں لکھتے ہیں۔ قال فی الباب السابع والتسعین وثلثمائۃ انما ظهر الشیخ عبدالقادر الجیلی بالتصرف فی الوجود والتاثیر والدعاوی العریضۃ کان بعدہ من الحق تعالیٰ کان حضرۃ الاسم الظاهر فاعطاه مقالم الصولۃ والهمۃ والشطح والاظهار العلو علی امثالہ واشکالہ بل علی من ھو اعلی منہ فی مقامہ یعنی شیخ اکبر محی الدین عربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ کے باب ۳۹۷ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ عالم وجود میں تصرف کرنے اور اثر پہونچانے اور لمبے چوڑے دعاوی میں غالب اسلئے تھے کہ وہ اسم **ظاہر** کے مظہر تھے۔ حق تعالیٰ کا شہود ان پر اس اسم کے ظہور سے تھا۔ پس جو صاحب کشوف و نور ولایت ہے۔ وہ صاحبِ غلبہ و تصرف بھی ہے۔ کیونکہ ظاہر اسمائے صفاتیہ جلالیہ سے ہے۔ اور اس کا معنے غالب بھی ہے۔ اس لئے اس پر مواظبت کرنے والا اس کے تمام خواص کا مظہر بن جاتا ہے۔

بدیں انصاف آپ اپنے مرید کو فرماتے ہیں۔ کہ تو جب غیر اللہ سے مستغنی ہو جاوے۔ اور محض تیرا تعلق اللہ ایک سے ہو۔ تو پھر تو جو چاہے کر کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ کرنا تیرا کرنا نہیں اور چاہنا بھی تیرا چاہنا نہیں۔ بلکہ خدا کا۔

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

۲ افعل ماتشاء آپ اس مرید کو فرما رہے ہیں۔ جو ترکِ نفسانیت کر کے

معاصی و محارم سے مجتنب اور مرضاۃ الٰہی میں صابر و ثابت قدم ہو۔ قصیدہ میں ہر جگہ مرید سے وہ مرید مراد ہے۔ جو طریق مقبولہ پر چلتا ہے۔ نہ وہ جو مرتکب کبائر اور فرائض الٰہی کے ادا کرنے سے قاصر اور حدود الٰہی سے باہر ہو۔ بھنگ بوزہ شراب۔ جوا۔ وغیرہ آثام میں لاپروائی اور عاقبت سے بے فکری رکھے۔

افعل بمعنی قل کیونکہ قول فعل ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ کوئی بات از قسم شطحیات جس میں فخر و اظہار کرامت و خودی نہ پائی جائے۔ بلکہ اظہار نعمت الٰہی ہو اور تقرّباً بالنعامہ و احسانہ ہو۔ تو اس کی اجازت ہے۔ ورنہ کوئی پیر کسی مرید کو کہہ سکتا ہے۔ کہ جو تیری مرضی ہو کیا کر۔ ہاں اعتباراً علیہ شاید کسی مباح میں اُسے مجاز کردے تو ہے۔ اور کہے گا بھی وہی جو مرید کی نسبت یہ جانتا ہو۔ کہ وہ برا کام نہیں کرے گا۔ کیونکہ قوت ایمانیہ اس کے دل و جوارح پر غالب آچکی ہے۔ اور فعل ممنوع و منہی عنہ اس سے سرزد نہ ہوگا۔

و معنی۔ وافعل ما تشاء تو سب سے بے نیاز رہ۔ اور تو جب غیر اللہ سے مستغنی ہو جاوے۔ اور محض نیرا التعلق خدا سے ہو۔ تو پھر تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تیرا کرنا نہیں۔ بلکہ خدا کا کرنا ہوتا ہے۔ اور تیرا چاہنا تیرا چاہنا نہیں بلکہ خدا کا چاہنا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

بالغرض اگر اس کا معنے یہ ہے۔ کہ اگر آپ اپنے مرید کو فرماتے ہیں کسی کی پرواہ نہ رکھ۔ اور جو تیرا جی چاہے کر۔ تو یہ حضرت نے ہی نہیں کہا۔ آپ سے پہلے سب پیروں کا خالق۔ ہادیوں کا ہادی آکہ الا کہ رب الارباب لعینہا یہی

کلمہ اپنے مریدوں کو کہہ چکا ہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۸ سطر ۱۰ صفحہ ۵۵ میں ایک حدیث ہے۔ مختصراً اس کا مضمون یہ ہے۔ کہ جبکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اصحابی بدری رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساز و سامان حرب وغیرہ راز کی باتیں لکھکر ایک شتر سوار عورت کو دے بھیجا۔ اور آپ نے حضرت علی کو بھیجکر اس نامہ بر عورت کو جو حضرت حاطب کا خط سر کے بالوں میں چھپائے لئے جاتی تھی۔ راستہ میں تھوڑی دور پر سے پکڑوا منگایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حاطب نے یہ کام منافقانہ کیا ہے۔ اور خدا اور رسول اور مومنین کی خیانت کی ہے۔ حکم ہو تو اس کو جان سے مار دوں ؟ آپ نے فرمایا کیا یہ بدری نہیں ؟ اور تجھے یہ بھی خبر نہیں ؟ کہ حق تعالیٰ نے اہل بدر کے دلوں پر نظر رکھکر انہیں کہدیا ہوا ہے۔ کہ اعملوا ما شئتم جو چاہو کرو میں نے تم پر جنت واجب کر رکھی ہے۔

یہ کہی جاتی ہے کہ خداوند سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کی اجازت دی ہے۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ علام الغیوب۔ خبیر لطیف۔ ہمہ دان مالکِ کون و مکان کے علم میں تھا کہ ان سے بُرا نہ ہوگا۔ اور اُن کا نفسِ امارہ تا حیات مغلوب رہے گا۔ اور اگر کوئی ایسا فعل ان سے سرزد ہوگا۔ جو فی الوقت بعید از مصلحت ہو انکی اجتہادی غلطی قرار پاکر باعث العذاب نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک مخلص صاحب اعتقاد صحیحہ کا ذکر برائے اطمینان طالبانِ حق تفسیر

خازن مطبوعہ میمنہ مصر کے جلد اوّل صفحہ ۲۸۵ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔
(ترجمہ) ابو ہریرہ رضؓ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت
کیا ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کر کے حضور الٰہی میں (بقصد نیاز و ندامت)
عرض کرتا ہے۔ کہ میرے اللہ میرا گناہ بخشدے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے
بندہ نے اگرچہ گناہ کیا ہے۔ مگر دل میں سمجھتا ہے۔ کہ اس کا رب ہے۔ جو
گناہ بخشتا ہے۔ اور سزا بھی دیتا ہے۔ پھر گناہ کرتا ہے۔ پھر بخشش مانگتا
ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگرچہ اس نے گناہ کیا۔ پر اُسے یقین ہے۔ کہ میرا رب
ہے۔ جو گناہ بخشتا ہے۔ اور گناہوں کی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ گناہ کر
بیٹھتا ہے۔ اور پشیمان ہو کر اللہ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے حق تعالیٰ
فرماتا ہے۔ میرے بندے نے گناہ کیا ہے۔ لیکن اس کا دلی یقین ہے۔ کہ
میرا رب گناہوں کو بخش دینے والا۔ خطا پوش۔ عذر نیوش ہے۔ اور مواخذہ
کرنے والا بھی ہے (اسلئے اس کے اعتقاد و امید پر رب کہتا ہے) افعل
ماشئت۔ جو تو چاہے سو کر جائیں نے بخشا۔ عبد الاعلیٰ اس حدیث کا راوی
کہتا ہے۔ مجھے شک ہے۔ کہ ابو ہریرہ رضؓ نے اس روایت میں افعل ماشئت
بندہ کے تیسری بار کے اقرار پر کہا یا چوتھی بار کے اقرار پر۔ یہاں اس شخص کی
حُسنِ اعتقادی پر غلطی اجتہادی معاف ہوتی رہی۔ ورنہ یہ بھی کوئی بات ہے
کہ جب ایسا کرنا اور اس کی سزا پانا کسی کو بالتحقیق معلوم ہو۔ تو وہ صرف
یہ سمجھکر کہ اللہ بخشنے والا ہے۔ گناہ کرتا رہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ
ولا یغرنکم باللہ الغرور (یعنی اللہ کے ساتھ مغرور نہ ہو جاؤ کہ اللہ بخش

دینے والا ہے مزے اڑاتے ہیں، پس جیسے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند کریم کے اس لطف آمیز حکم سے اُن کو آگاہ کردیا ویسے ہی جناب محبوب سُبحانی نے اپنے اُن مُریدوں کو جن کی جان نثاری اور اخلاص بہ نسبت خود مثل اہلِ بدر بہ نسبت وجود اطہر حبیب حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعلام الٰہی معلوم کی اور اُنکا نجات یافتہ ہونے کی منجانب اللہ خبر ملی تو بطریق اعتبار کہدیا۔ کہ بظاہر جیسا کبھی ہو۔ اور کچھ بھی ہو۔ لیکن باطناً ہم سے ہو اور ہمارا ہو۔ قلب مطمئن ہونا چاہیئے۔ اظہار افعالِ باطنیہ و احوال قلبیہ اقوالِ صدریہ میں کسی وقت مصلحت معلوم ہے جو دوسرے کو نہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ جو تو چاہے کر۔ اور کہہ۔ اور میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ کہ

۱۹ مُرِیدِی لَاتَخَفْ وَاشِ فَاِنِّی
عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

تو کسی بداندیش بے خبر ناہم (معترض) سے نہ ڈر کیونکہ میں ایسے بداندیش کے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ اور اُسے مار ہٹانے والا ہوں۔

معترض کو اعتراض کا موقع ہے۔ کہ جہاں آپ نہیں دیکھ سکتے آپ کو کیا معلوم کہ میرے مرید کو کیا تکلیف پہونچ رہی اور کون تکلیف دینے والا ہے۔ سو ایسے معترض کو پیچھے ہٹ کر دسواں بیت قصیدہ کا دیکھنا

چاہیئے۔ آپ نے خود ہی اعتراض کا موقع نہیں دیا۔ بیت میں اطلعنی موجود ہے جس کا معنی ہے مجھے خبر دی۔ پس مُطّلع یعنی خبر دہندہ تو سب کچھ دیکھتا جانتا ہے۔ بدینصورت اعتراض کا ستیاناس ہوگیا۔ اسکی نظیر مشکوٰۃ کے مناقب الصحابہ میں دیکھو۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ رواہ الترمذی۔ میرے اصحابیوں کی نسبت کچھ کہنے میں خدا سے ڈرو میرے دوستوں کے بارہ میں خدا سے ڈرو میرے بعد (امت) انکو اپنے خیال کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو انکو اچھا جانے اور دوست رکھّے سو میری دوستی کے سبب سے۔ اور جو انکو برا جانے سو اسلئے کہ وہ مجھے بھی برا جانتا ہے۔ اور جس نے میرے صحابہ (مریدوں) کو ستایا۔ اس نے مجھے ستایا۔ اور جس نے مجھے ستایا۔ اس نے خدا کو ستایا۔ اور وہ اُسے جلدی پکڑے گا۔

اس حدیث میں مِنْ بَعْدِی کا لفظ جائے غور ہے۔ اور ترکِ شکایت و ایذائے صحابہ کا حکم اُسوقت کے حاضرین کو ہی نہیں۔ بلکہ الے یوم القیام ہم تم سب کو۔ تو جس ذریعہ سے جناب رسالت و نبوّت اپنے مریدوں (صحابہ) کی شکایت کو سُن لیتے ہیں۔ اور متاذّی ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے مریدوں کو سُن لیتے ہیں۔ اور متاذّی ہوتے ہیں۔ اسی ذریعہ سے جناب پیر اپنے مریدوں کی سُن لیتے ہیں اور متاذی ہوتے ہیں۔ اسلئے آپ اپنے مریدوں کو تسلّی دے رہے ہیں۔ کہ تم کسی بد اندیش سے نہ ڈرو۔ کیونکہ

میں جو قرب حق پاچکا ہوں۔ اور اس نے مجھے ستر قدیم پر واقفیت عطا کی ہے۔ وہ مجھے تمہاری حالت کی اطلاع دینے میں بھی قادر ہے۔ اور میں تمہاری تکلیف کو سُنکر ہمت ہارنیوالا نہیں۔ بلکہ میں تیار ہوں اور موذی کو مارنے والا۔ اس بیت سے پچھلے بیت میں دیکھو کہ آپ اپنی نفی کرتے ہیں۔ اور تمام تصرفات کے لیئے لفظ بقی رتہ المولیٰ بولتے ہیں۔

خداوند جلّ وعلا نے جسقدر کسی کو ظاہر و باطن کی قوت و قدرت عطا کی ہے اس میں تصرف کا اُسکو اختیار بھی دیا ہے۔ شرفاء عظماء اپنے وابستگان کے عرض و مال پر بہت غیرت کرتے ہیں۔ اور اپنے غلاموں خدمتگاروں کا بجانب حق بہت پاس کرتے ہیں۔ کیا دُنیا کی زندگی میں کیا برزخ میں اور اس کے شواہد بکثرت ہیں۔ حدیث مذکور میں دیکھو۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبین کے رنج و ایذا کو بعد از انتقال اُس عالم میں کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ اور ان کے مخالف و موافق کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کو تیار ہیں۔ فرماتے ہیں۔ انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم کیونکہ آپ متخلق باخلاق اللہ ہیں۔ خود خداوند جلّ وعلا کے اخلاق بھی یہی ہیں چنانچہ آپ نے ارشاد الٰہی کو جو مشکوٰۃ کے باب ذکر اللہ عزّ وجل صفحہ ۱۸۹ سطر ۲ پر درج ہے اس طرح نقل کیا ہے۔ ان اللہ تعالیٰ قال من عادلی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ یعنی جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو بس میری طرف سے اُس کے لئے اعلان جنگ ہو چکا۔ شارحین مشکوٰۃ لکھتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ نے کسی گناہ کرنے والے کو لڑائی کا وعید نہیں کیا

مگر ایک تو مقبولوں اور بارگاہ اقدس کے خادموں کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں سے۔ دوسرے بیاج کھانیوالوں سے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبار رواۃ غلام آہی جابجا کی خبر ہے۔ اور آپ قوت خداداد سے روئے زمین کی سیر کرکے اپنوں کی خبر لیتے ہیں۔ اور اُنکے ساتھ نیک سلوک کرنے والوں کی جان پہچان رکھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب تنویر الحلک برویۃ الملک میں لکھتے ہیں۔

تحصل من مجموع هذه النقول والاحاديث ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم حیٌ بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث شاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئ وانه مغيب عن الابصار كما غيبت الملئكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اكرامه برويته راٰه على هيئته التي هو عليها

(ترجمہ) پس حاصل اِن منقولات واحادیث کا یہ ہے کہ بتحقیق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں۔ اپنے جسد اور روح سے۔ اور بے شک آپ تصرف کرتے ہیں۔ اور سیر کرتے ہیں۔ جہاں چاہیں۔ اطراف زمین میں۔ اور عالم ملکوت میں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی اُسی حالت پر ہیں۔ جو قبل از وفات تھی۔ کچھ بھی آپ کی ذات سے تبدیل ہونا نہیں ہوا۔ اور آپ غائب ہیں آنکھوں سے جیسا کہ غائب ہیں ملائک۔ باوجودیکہ وہ زندہ ہیں اپنے اجسام میں۔ پھر جب ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالے اٹھا دینے کا حجاب کا اس شخص سے جسکو مکرم کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

دیدار سے ہو وہ دیکھتا ہے۔ آپ کو اُسی حالت پر۔ فتح الحق مطبوعہ مدراس سنہ ۱۳ھ
صفحہ ۹۰۔ اور جذب[1] القلوب الی دیار المحبوب صفحہ ۲۸۰ میں انس بن مالک سے
مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ علمی بعد موتی کعلمی فی حیاتی یعنی
میرا علم ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ حیات دنیا میں تھا۔ رواہ الحافظ المنذری
وابن العدی فی الکامل ورواہ ابو یعلے عن انس رضی بن مالک ورواتہ ثقاۃ۔

امام حسن علیہ السلام کی تنگی خرچ معلوم کر کے اُنکو ایک ایسا کلام
سکھادیا جس سے ان کی مشکل حل ہو گئی (تاریخ الخلفاء) امام حسین علیہ السلام
کا دُکھ محسوس کر کے میدان کربلا میں پہونچے۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۵۶۲)

عبداللہ بن مبارک (وہو من اساتذۃ الامام البخاری) بیان کرتے ہیں
کہ ایک دفعہ میں حج کو گیا۔ خواب میں میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و
آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تو واپس ہو کر بغداد پہونچے
تو بہرام مجوسی کو میرا سلام کہنا۔ ابن مبارک کہتے ہیں۔ جب میں بغداد پہونچا
تو بہرام مجوسی کو ملا۔ اور امتحاناً پوچھا۔ کہ عنقریب تو نے کوئی اچھا کام کیا ہے؟
بولا ایک مسلمان عورت ایک دن چراغ ہاتھ میں لئے ہوئی ہمارے گھر آئی
اور ہمارے چراغ سے جلا کر پیچھے ہٹی۔ اور دروازہ تک جاکر بجھا دیا۔ کئی دفعہ
اس نے ایسا ہی کیا۔ آخر گھر کو جاتی رہی۔ مجھے خیال آیا۔ کہ شاید یہ عورت ہمارے
گھر کی جاسوسی کرنے نہ آئی ہو۔ جلد تر اٹھکر میں اس کے پیچھے ہولیا۔ گھر

[1] مصنفہ حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہ مطبوعہ مطبع انڈین سن کلکتہ سنہ ۱۲۶۳ھ صفحہ ۲۸۰۔۱۲

پہونچی تو اس کے بچے چیخ پکار کر اس کے گرد ہو گئے کہ اماں بھوک سے جان نکلتی جاتی ہے۔ کچھ لائی ہے تو دے۔ وہ نہایت دردناک آواز سے بولی کہ بچو! میں گئی تو تھی۔ پر مجھے غیر خدا سے مانگتے شرم آئی۔ میں یہ سنکر لوٹ آیا۔ اور گھر میں کھانے پینے کے لئے جو کچھ پایا۔ دے آیا۔ (ابن مبارک کہتے ہیں) میں نے کہا تیرے اس فعل سے ہمارے نبیؐ بہت خوش ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے مدینہ منورہ سے تجھکو سلام بھیجا ہے۔ وہ یہ سنکر حیران ۲۹۷
ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کے غلاموں میں داخل ہو گیا۔ نزہۃ المجالس

مصنف نزہۃ المجالس شیخ صفوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے تاتارخانیہ میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ بغداد میں ایک دفعہ ایک مسلمان محتاج مقروض کو ایک مجوسی نے براہ ہمدردی در پردہ دس ہزار دینار دیا۔ اسی رات جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں اسکو فرمایا۔ کہ آج تو نے ہمارے ایک امتی کو غم والم سے چھوڑا دیا حق تعالیٰ نے تجھکو غم دوزخ سے چھوڑ دیا ہے۔ وہ بولا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں ہوں محمد رسول اللہ۔ مجوسی نے یہ سنکر نہایت جوش سے نعرہ مارا۔ اور بیدار ہو کر بلا تامل مسلمان ہو گیا۔

ابن جماعہ کو آپ نے اپنے پاس نہ آنے دیا۔ اسلئے کہ اس نے کل دن میرے اہلبیت سے علی بن عبدالقادر کو ستایا ہے۔ چنانچہ ابن جماعہ نے بیدار ہو کر فوراً حضرت علی بن عبدالقادر کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی لی (شمس المفاخر ذیل قلائد الجواہر صفحہ ۸ مطبوعہ سعادت مصر ۱۳۲۶ھ)

اولیاء اللہ کو چونکہ برزخ میں بھی تصرف کی طاقت دی گئی ہے۔ اس لئے وہ جب سنتے ہیں تو تصرف کو کام میں لاتے ہیں۔ سیّد الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے بیٹے علی موسے کاظم بن رضا علیہم السلام کا جبکہ ان کو مہدی عباسی نے قید کردیا۔ اس کا دکھ سہہ نہ سکے۔ اور ملکر اُسے ملامت کی هل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے دو شخصوں کو عالم برزخ میں تصرف کرتے دیکھا ہے۔ امام موسےٰ علی رضا اور معروف کرخی رضی اللہ عنہما۔ فتح صفحہ ۸۰ یہ تو خواص اولیاء اللہ ہیں۔ عام برزخیوں کو بھی خوشی غمی محسوس ہوتی ہے۔ اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کے اعمال حسنہ وسیئہ پر خوش ہوتے غم کھاتے۔ اور دعا کرتے چنانچہ حدیث میں ہے۔ لا تفضحوا موتاکم بسیئات اعمالکم صفحہ ۱۰۳۔ اور زیادہ اطمینان کے لئے شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ دیکھنا چاہیئے۔

عزوم قاتل عند القتال عزوم بڑا بہادر صیغہ مبالغہ کا ہے قاتل قتل کرنے والا۔ لڑنیوالا۔ قاتل عزوم اُس جنگی بہادر کو کہتے ہیں۔ جو ایک ذرہ سی عار نہ سہہ سکے۔ اور میدان کارزار میں تاوقتیکہ مقابل کو نہ مار لے ہٹے نہیں۔ فرماتے ہیں میں تجھکو کہتا ہوں۔ کہ تو کسی بد اندیش بدگو سے نہ ڈر۔ نہ جھک۔ اور کسی دشمن کا فکر نہ رکھ۔ تو اس لئے کہ میں قاتل عزوم ہوں۔ کیونکہ میں اپنی قوت سے نہیں لڑتا۔ بلکہ قوتِ ربانی سے کما یشہدہ قولہ یُصرفنی وحسبی ذوالجلال۔

بندہ جب صفاتِ بشری سے فنا پاتا ہے۔ تو اُسے بعوض اُس کے صفاتِ حقی ملتے ہیں۔ یعنی بشری طاقتوں کے چھوڑ دینے اور محبتِ خالق البشر میں فنا پانے سے۔ اسے منجانب اللہ ایک ایسی قوت ملتی ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس بندہ کے وجود سے افعال میں یہ قوت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں روایۃً عن اللہ مروی ہے۔

فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی ویدہ التی یبطش بی ورجلہ الذی یمشی کہ میری محبت میں فناہ شدہ بندہ کی یہ قدر ہے۔ کہ پہلے تو وہ میرا محبّ ہوتا ہے۔ اور میں اس کا محبوب۔ پھر میں اس کا محبّ بنجاتا ہوں۔ اور وہ میرا محبوب۔ اس کی نشانی دنیا پر یہ ہے۔ کہ اس کے کان۔ اور آنکھ۔ ہاتھ اور پیر میں مَیں اپنی قوت رکھدیتا ہوں۔ جو اُسکے وجود سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہی میری قوت ہے۔ کہ جس کا کوئی قوت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی قوت سے وہ سب پر غالب آتا ہے۔ حضرت علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ما قلعتُ باب خیبر بقوۃ جسدانیۃ ولکن بقوۃ ربانیۃ یعنی میں نے خیبر کا دروازہ قوتِ جسمانی سے نہیں توڑا تھا۔ بلکہ قوتِ ربّانی سے۔

اسی قوت کو روح القدس کہا گیا ہے۔ حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بشہادتِ آیۂ وایدناہ بروح القدس اسی قوّت خداداد سے مردہ زندہ کرتے تھے۔ اور بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ یہ قوت تمام انبیاء و مقبولانِ خدا کو عطا ہوتی ہے۔ جناب سیدالانبیاء محمد مصطفےٰ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شہادتِ قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین اٰمنوا ھدًی وبشریٰ للمسلمین بھی حاصل تھی۔ آپکا تصرف دیگر تمام اہلِ تصرف ماضی و مستقبل سے غالب تھا۔ کیونکہ آپ سے پہلے یا پیچھے جسکو حاصل ہوا اُس کا تصرف عالمِ ارضی پر ہی تھا آپ کا عالمِ ارضی و سماوی دونوں پر معجزہ رد الشمس وشق القمر۔ و اجراء السحاب کتب احادیث میں درج ہیں۔

تمام انبیاء کی یہ خداداد قوت بوقتِ ظہور صورتِ مطلوبہ میں ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قوت کی صورت بوقتِ ظہور صورتِ مطلوبہ میں صورت پذیر بھی ہوتی تھی۔ اور ہمیشہ کیلئے بھی حروفِ قرآنی میں متصور ہے۔ اور اس صورت کا روشن چہرہ حروفِ مقطعات ہیں حضرت پیر قدس سرہٗ چونکہ فطرتاً و نیز امتثالاً بامرِ جدِ امجد خود تخلقوا باخلاق اللہ متخلق باخلاق اللہ ہیں۔ اس لئے برزخ میں بھی اپنے مریدوں کی حمایت و پاسداری کیلئے موفق منجانب اللہ ہیں۔ اپنے مریدوں کو فرماتے ہیں۔ تو کسی بدگو اور بداندیش سے نہ ڈر۔ تو اگر اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ مقابلہ کرنے اور اُسے ہٹانے کو تیار ہوں۔ اور تو سمجھ کہ مجھے اتنی طاقت کہاں سے ہے۔ اور میرا مان کس پر ہے۔ اور میں تجھے کیوں کہہ رہا ہوں۔ کہ

۲۰

مُرِیدِی لَا تَخَفْ اللّٰهُ رَبِّی
عَطَانِی رِفْعَةً نِلْتُ الْمَعَالِی

میرے مرید تو غیر اللہ سے ڈر نہیں۔ اسلئے کہ اللہ عزوجل نے جو میرا مربی وہادی ہے۔ مجھکو بالائی عطا کی ہوئی ہے۔ جس کے سبب سے میں اپنے ارادہ (تربیت مریدین) میں کامیاب ہوچکا ہوں (میرا زور اور مان بھی اسی عطیہ پر ہے)

لو اب کوئی اعتراض باقی ہے۔ پچھلا اطلعنی نہ سہی یہ اللہ ربی فاعل عطانی تو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی طاقت عطا کرے تو اس کا غصہ خدا پر نکالنا چاہیئے۔ نہ اس پر جو عطائے حق کا اقرار کرتا ہے۔ اگر وہ نہ کرے تو بحکم واما بنعمۃ ربک فحدث نافرمان ٹھہرے۔ حسد اس بات کا ہے۔ کہ یہ رفعت (عزت بڑائی) اس شخص کو ملنی چاہیئے تھی جس کے ہم معتقد ہیں۔ کمبخت! ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

صریک لا تخف۔ میرے مرید ڈر نہیں الخ۔ یعنی خدا کے سوا اور کسی سے نہ ڈر۔ کیونکہ میرا تربیت کنندہ اللہ ہے۔ جو سب پر غالب ہے۔ میں سوائے اس کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ کسی کو مجھپر غالب ہونے نہیں دیتا کیونکہ جو خدا سے ڈرتا ہے۔ خدا اسے رفعت (بالائی غلبہ) دیتا ہے۔ باقی اشیاء اس سے ڈرتی ہیں۔ اسکو کوئی نہیں ڈرا سکتا۔

حیوۃ الحیوان مطبوعہ عامرہ شرقیہ مصر ۱۳۱۶ھ کے جلد اول صفحہ ۳

پردرنح ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ کہ ابن سبع سبتی نے کتاب شفاء الصدور میں روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ اپنے کسی سفر میں دیکھا کہ بہت سے لوگ راستہ پر کھڑے ہیں، قریب آکر پوچھا کہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ شیر راستہ روکے کھڑا ہے۔ یہ سُنکر اپنے مرکب سے اترے۔

اور یہ کہکر کہ تو بھی اسی پر زور پا سکتا ہے۔ جو خدا کے سوا کسی اور سے ڈرے۔ شیر کو کان سے پکڑ لیا۔ اور راستہ سے دور چلکر چھوڑ آئے۔

عطائی رفعۃ رفعت۔ عزّت۔ بڑائی۔ منظوری۔ بلندی قدر سرافرازی۔ یرفع اللہ الذین آمنوا منکم الیہ یصعد کلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ ورفع بعضہم درجٰت ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت نرفع درجٰت من نشاء۔

رفعت۔ کمال قرب اور کمال علو کو بھی کہتے ہیں۔ فرمان ورفعنا لک ذکرک میں کمال رفعت و کمال علو کا ہی معنی ہے۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ کہ میرا ذکر حق تعالےٰ نے کیسے مرفوع کیا ہے۔ کہا وہ فرماتا ہے۔ اذا ذکرت ذکرت معی میں جب ذکر کیا جاتا ہوں۔ تو تیرا ذکر بھی میرے ساتھ ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی میرے نام سے تیرا نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے حضرت پیر کے نام کی عزت ہے۔ جس کا آپ نے اس بیت میں اقرار کیا ہے۔ کہ اللہ نے جو میرا تربیت کنندہ ہے۔ مجھے ایسی عزت دی ہے کہ میں

نے جو چاہا پالیا۔ اور ہر جگہ خدا اور رسول کے نام سے میرے نام کی عزت ہونے لگی چنانچہ

۲۱

طُبُولِی فِی السَّمَا وَالْاَرْضِ دُقَّتْ
وَشَاؤُسُ السَّعَادَۃِ قَدْ بَدَالِیْ

میرے نام کے ڈنکے آسمان وزمین لگ رہے ہیں۔ اور سعادت ونجابت کے اردلی میرے آگے آگے چل رہے ہیں۔ آسمان وزمین میں میرے باجے بج رہے ہیں۔ مراد اس سے شہرت اور عزت قائم ہونے کی ہے۔ حدیث میں ہے۔ کہ خدا جب کسی کو اپنا مقبول کر لیتا ہے۔ تو جبرئیل کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اس کی رفعتِ شان ومقبولیت کی زمین وآسمان میں منادی کر دے تاکہ کوئی اس سے بے خبر نہ رہے۔ اور شاؤس سعادت کا پیشرو ہونا۔ اور پوشاپوش کرتے چلنا مقصود سبقتِ عنایتِ ربانی برحالِ خود ہے۔ یعنی عنایتِ ربانی میرے آگے آگے چل رہی ہے۔ اور میرا راستہ ہر معترضِ حال سے صاف کرتی جا رہی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ توجہ جناب باری تعالےٰ ہر وقت میری پیشرو و پاسبان ہے اس لئے میری حرمت وعصمت تک نفس و شیطان نہیں پہونچ سکتا۔ اور اللہ کا دیا ہوا یہ زور ہے۔ کہ نفس و شیطان تو ایک طرف

۲۲	بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَالِیْ
۲۳	نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

خدا کی ارضی آبادی میرا ملک اور میری زیر حکومت ہے۔ اور میرا وقت میرے دل سے پہلے صاف ہو چکا۔ اسلئے جب میں بنظر تصرف عالم آباد کو دیکھتا ہوں تو وہ سب کے سب ایک دانہ رائی کے برابر میرے حکم پر تُلا ہوا ہے۔

بلاد اللہ سے مراد وجودِ بنی آدم یعنے اشخاص اولیاء اللہ ہیں اصطلاح صوفیہ میں بلد وجود و شخص (جسم) کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جیسے کسی شہر و قصبہ و دیہہ و قریہ میں آبادی ہوتی ہے۔ اور وہ مجمعِ مساکنِ انواعِ متنفس ہے۔ ویسا ہی ایک جسم حیوان خواہ ناطق ہے خواہ غیر ناطق مجمعِ مخازنِ قوےٰ ہے۔ حافظ شیرازی ؎

فغاں کیں لولیانِ شوخ و شیریں کار و شہر آشوب
زمن بُردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغمارا

جسم میں کوئی تھوڑی سی آبادی نہیں یہ عالم کبیر ہے۔ ہمارے مولیٰ

سیّد العارفین امیر المومنین مولی الکل علی المرتضےٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں۔
وتحسبُ انک جرمٌ صغیرٌ وفیک انطوی العالم الاکبرُ اسی میں رعایا اسی میں بادشاہ۔ دل کہ سُلطان الاعضاء ہے۔ اور صدر (سینہ) کہ صدر شاہی (دار الخلافہ) ہے۔ اسی میں جوارح کہ رعایائے دل ہیں اسی میں مالی مُلکی انتظام کے کارندے، حواسِ خمسۂ ظاہر وخمسۂ باطن بھی اسی میں صدہا نہریں (عروق الدم) صدہا درخت (بال) پہاڑ (عظام) اس میں موجود ہیں خیالاتِ مختلف ہر وقت اس میں بند وبست جاری رکھتے ہیں۔ بدیںصورت معنے یہہ ہیں۔ کہ وجودِ اولیاء اللہ پر جو بلاد اللہ ہیں میرا حکم جاری ہے۔ اور وہ میرے زیر تصرّف ہیں۔

پیچھے قصیدہ کے بیت ۱۲ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اقطاب آپ کے زیرِ فرمان ہیں۔ اور اقطاب جیسا کہ آگے درستُ العلم حتی صرتُ قطبا کی تشریح میں آئے گا۔ وہ صاحب درجہ ہیں۔ کہ زمین اُن کے تصرّف میں ہے۔ باطناً گویا وہ منجانب اللہ زمین کے انتظام کے ذمّہ دار ہیں۔ اور بظاہر جو تخت نشین ہوتا ہے۔ وُہ اُس کے زیر نظر ہوتا ہے۔ پس مالکانِ ملک زیر اثر وتصرّف جنابِ قادریہ ہیں۔

بلاد اللہ کی اضافت تملیکی ہے۔ بلادؔ جمع بلد۔ بلاد اللہ سے مراد عالم دنیا ہے اور اہل دین دنیا سے خارج ہیں۔ وہ اگرچہ دنیا پر ہیں۔ درحقیقت داخل جنت ہیں۔ اُن کا تصریف فی الاشیاء وتکوین دنیا پر مثلِ اہلِ جنت ہے کہ جس چیز کا جیسا ارادہ کریں۔ وہ اُسی وقت تیار ہو جائے۔ اور یہی

وجہ ہے کہ اُن کے بول و براز میں بُو نہیں ہوتی۔ اور نہ زمین پر نظر آتا ہے۔ اور یہاں مراد دُنیا اور دُنیا کی اُن چیزوں کی ہے۔ جو خدا سے غافل کرنے والی ہیں۔ اس لئے کہ آپ فرماتے ہیں کہ دُنیا وما فیہا لہا میری نظر میں ہیچ ہے جیسے کہ دانۂ خردل کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اور چونکہ میں اللہ کو حاصل کر چکا ہوں۔ اس لئے دنیا میری نظر میں بے قدر ہے۔

نکتہ دُنیا کا ہیچ اور مثل پر مگس و دانۂ خردل نظر آنا بہ نسبت علو مدارج و رفعتِ شان رائی ہے ورنہ دُنیا کچھ تھوڑی سی چیز نہیں (شرح فتوح الغیب شیخ محدث دہلویؒ مقالہ)

اس میں کچھ اور بھی ایک امر کا اظہار ہے۔ وہ یہ کہ جہان میرے سامنے ایک چھوٹا سا مثل دانۂ خردل ہے۔ اُس کا کچھ بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ یعنی جو دنیا میں ہو رہا ہے میں اس کی خبر رکھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے نظر آ رہا ہے۔ یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ لیکن جب اس رفعت کا معطی آپ اللہ واحد کو قرار دیتے ہیں۔ تو کیا اعتراض ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعد ارشاد وعلمک مالا تکن تعلم ما کان وما ہو کائن الی یوم القیمۃ کی منبر پر کھڑے ہو کر خبر دی تھی۔ یہاں تک کہ مکھی کے پر کی (رواہ البخاری) اور یہ بھی فرمایا ہے۔ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ رواہ الطبرانی (فتح الحق مطبوعہ مدراس صفحہ ۵۴) مگر اس رفعت میں رافع کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔

نکتہ ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نظر میں دنیا کو تشبیہ بکف دی ہے ۔ اسلئے کہ کف قبضہ اور چیز پر اختیار کو کہتے ہیں ۔ تو آپ نے دنیا پر اپنا اختیار واقتدار ظاہر و باطن اور سامنے سب کچھ نظر آنا بیان کیا ہے ۔ اور حضرت پیر صاحب کا بھی اگرچہ مطلب یہی ہے مگر دانہ کا حرف گرداگرد اور ہیچ نظر آنا پایا جاتا ہے ۔ صاف و روشن دیکھنے اور قابض و صاحب اختیار ہونے کیلئے لفظ کف ابلغ ہے ۔ دانہ گو چھوٹا ہے ۔ لیکن پردہ رکھتا ہے ۔ فافہم ولاتکونن من الجاہلین ۔

جناب غوثیہ کا یہ فرمانا " دو قتی قبل قلبی قد صفالی " حسب ارشاد فیض بنیاد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

ما رایت شیئا الا ورایت اللہ قبلہ

چونکہ ابتدائے سلوک الی اللہ اپنے وقت کو نیت غیر حق سے صاف کرنا ۔ اور حق تعالیٰ کو مبدع یقین کرنا ہے ۔ اسلئے جو کچھ کہ اسکے بعد نظر آئے گا ۔ اس کا موجد و مبدع پہلے نظر آئے گا ۔ چنانچہ بلا د اللہ یعنی عجائبات مخلوقی و اسرار ملکی و ملکوتی کے دیکھنے سے پہلے میں نے خدا کو دیکھ لیا ۔

ظاہر ہے کہ بے ارائت مبدع کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی ۔ اور بجز اعانت صانع مصنوع کی اصلیت نہیں پائی جاتی ۔ کیونکہ کوئی کاریگر جب تک اپنی کسی بنائی ہوئی چیز کے پرزے کھول کر جیسے چاہیے نہ دکھائے ۔ ویسا اپنے آپ دیکھنے یا اس کی ظاہر بناوٹ پر نظر ڈالنے

سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہی بات تھی کہ سید کائنات علیہ آلہ التحیات فرمایا کرتے تھے۔ ارنا حقائق الاشیاء کما ھی۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کہ جب بمصداق ینظر بنور اللہ بنظرِ ربانی کسی چیز پر نظر ڈالے تو کیا نظر آئے گا۔ پس آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں تا وقتیکہ واصل و مقربِ بارگاہِ احدیت نہیں ہوا۔ اور بدیع العجائب کو نہیں دیکھ لیا۔ عجائباتِ ملکی وملکوتی رازہائے جبروتی ولاہوتی نہیں دکھائی دیئے۔ کیونکہ میں نے پہلے ہی اپنے وقت کو نیت حصول ذات سے صاف کر لیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کا ملک جبکہ میں نہیں ہوں (یعنی اپنے آپ کو فنا کر چکا ہوں) میرے زیر حکم ہے۔ اور سب میرے موافق ہے۔ یعنی زمانہ نے میری موافقت کی۔ اور یہی نہیں بلکہ قبل از قلب میرا وقت صاف ہوا۔ اس طرح کہ شروع سلوک الی اللہ کا وقت خطرات ووساوس اور دیگر نفسانی روک ٹوک سے صاف رہا۔ گویا وقت یعنی زمانہ نے قبل از صفائی قلب (محل عرفان وادراکِ اشیاء کہ لطیفہ ربانیہ ہے) میرے خلوص وارادہ میں کسی طرح کی کوئی کدورت نہیں ڈالی بلکہ صاف رہا۔ مراد یہ کہ جتنی اشیاء نے ہی میری موافقت نہیں کی بلکہ زمانہ (وقت) نے بھی میری مساعدت کی۔

نظرت الی بلاد اللہ الخ فرماتے ہیں۔ جب میں پہلے صفائی وقت سے پھر صفائی دل سے مستسعد ہو چکا۔ تو میں نے بلاد اللہ (دنیا) کو نظر بھر کر دیکھا تو اس عالم کے نزدیک جو میرے دل میں منطوی ہے۔

بالکل ہیچ نظر آئی۔ اور اس کی تمام خرابیاں میں نے دیکھ لیں۔ کیوں کہ نظرِ باقی سے فانی کو دیکھا۔

بلا۔ وَالله کا آپ کے تحتِ حکم ہونا دنیا پر آپ کے صاحبِ اقتدار ہونے پر دال ہے۔ یہ سچ ہے۔ آپ سے پہلے سب اُن مقبولوں نے جنہوں نے خدا کی تابعداری کی۔ سب پر سرداری لی۔ زمین۔ آسمان جن و انسان۔ پہاڑ۔ دریا۔ پتھر۔ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ درندوں۔ چرندوں۔ خزندوں۔ پرندوں پر حکم۔۔۔۔۔۔ جیسے کہ ایک دانہ کو اِدھر سے اُدھر پھینک سکتے ہیں۔ اور جس طرح چاہیں اُلٹ پلٹ دیں۔ وہ بیجان چیز ہے۔ ہر طرح سے اس پر اختیار ہے۔ بہر سو پیشِ نظر بحکم بے یسمع و بی یبصر دُنیا کا سب کچھ دیکھ سُن رہا ہوں۔ پر مجھ جیسے صاحبِ نظر کا ذریعۂ حصولِ درجۂ مذکور کیا ہے؟ ایک تو صفائی وقت و قلب۔ مگر

۲۴ وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَّاِنِّيْ
عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

اور دوسرا یہ کہ ہر ایک ولی کے لئے اپنے درجہ کے موافق فطرتاً سلوک و وصول میں کسی نہ کسی نبی سے مناسبت باطنی حاصل ہے۔ اور مجاہدہ و ریاضت۔ صبر و استقامت میں اس کا قدم بقدم۔ لیکن میں

اپنی منزلِ مقصود کو طے کرنے کیلئے اپنے جدِ اعلےٰ سید الانبیاء، افضل المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم ہوں۔ جو آسمانِ کمال کے بدر یعنی اپنے درجہ نورانیت میں مثل چودھویں کے چاند کی ہیں جیسے چاند اور سب ستاروں پر فائق اور اس کے سامنے باوجود بالذات روشن ہونے کے اُن کی روشنی نمایاں نہیں ہوتی۔ اسی طرح آپ کے سامنے سب انبیاء ہیں۔ کہ وہ سب اپنے آپ میں بنور نبوت منور ہیں لیکن بالمقابل آپ کا نور سب پر غالب ہے۔ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔ اس لئے جناب حضرت پیر قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ جیسا کہ حضور کو افضلیت و غلبہ ہے۔ اسی طرح مجھے تمام اولیاء پر غلبہ و رفعت حاصل ہے۔ کیونکہ افضل کا تابعدار بھی بمناسبتِ متبوع افضل ہونا چاہیئے۔ اس کا شاہد ہے۔ کُنتم خیرَ اُمۃٍ اُخرِجت للناس اور اُمتی خیرُ اُمتہٖ اسلئے ہی ہیں۔ کہ خیر الانبیاء کی امت ہیں۔

اس بیت میں آپ نے افضل الرسل سید البشر علیہ و آلہ الصلوٰۃ بعدد قطرات المطر کی جہتہ سے اپنا مستفیض ہونا بیان فرمایا ہے۔ کہ مجھے تعلیم و تربیتِ محمدیہ کے سبب سے فضیلت حاصل ہے۔ میں آپکا تربیت یافتہ اور آپ کے قدم بقدم چلنے والا (عامل بالسنت) ہوں اس لئے مجھے فیضِ کمال حاصل ہے۔ کہ جیسا آپ مشکاتِ انوارِ ربانی سے جہات پانے والے ہیں۔ ویسا ہی میں لمعاتِ اسرارِ محمدیہ سے۔

حدیث شریف میں ہے۔ عن معاذ بن جبل رض قال احتبس عنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات غداۃ عن
صلوۃ الصبح حتی کدنا نترائے عین الشمس فخرج سریعا
فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتجوز فی صلوۃ
فلما سلم دعا بصوتہ فقال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل
علینا ثم قال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم الغداۃ انی قمت من
اللیل فتوضأت وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلوتی حتی استثقلت
فاذا انا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورۃ فقال یا محمد قلت لبیک
یا رب قال فیم یختصم الملاء الاعلی قلت لا ادری قالہا ثلاثا قال فرأیتہ
وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردانا ملہ بین یدی فتجلی لی کل شئ وعرفت الخ
خدا نے سینے میں نور دینے اور دل روشن کرنے کے لئے اپنا کف آپ کے
مونڈھوں میں رکھا۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم کے سینہ کھولنے اور
سب کچھ جاننے کے لئے ان کے منہ میں لب ڈالا۔ اور فرمایا۔ دانا ارعاہ اللہ
دین نے ہی اس پر بخشش کی ہے، اور وہ کہتے ہیں انما ربانی رسول
کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ خدا نے آپ کو نور و کشف دیکر پھر واپس لے لیا۔
یا وقت بے وقت دادو ستد میں رہتا تھا۔ لیا تو کب ؟ دینے کا یہ ثبوت یہ
حدیث واپس لینے کی کونسی ؟ الم نشرح لک صدرک کا احسان
سو کہاہی جتا رہے ہیں۔ یہ شرح صدر دوامی اور قرار یا قرار ہے یا استعار
آپ ہر وقت روشن ضمیر تھے۔ آپ کے دل النور منزل پر کبھی کدورت نہیں
آتی تھی۔ آپ دائم الاشراق والکشف تھے۔ اور آپ کے زجاجہ وجود
میں مصباح نور الہٰی روشن رہتا تھا۔ سورہ نور آیہ نور کو غور سے دیکھو کہ

کیا سمجھو نہ ہو رہا ہے۔ آپ کا قلب ہر وقت متجلی بہ تجلیاتِ ذاتیہ وصفاتیہ تھا اور درجۂ قبض وبسط اور لیغان علیٰ قلبی سے گزر کر کب سے معراجِ قاب قوسین تک پہنچ چکے تھے۔ جہاں درجات ختم اور وصالِ لایزال حاصل ہوتا ہے۔

کل ولی الخ ہر ایک ولی کسی نہ کسی نبیؑ کے ہمرنگ ہوتا ہے۔ یعنی وہ اس کا ظلی ہوتا ہے۔ صحابہ کے سرتاج اولیاء اللہ تھے۔ اگرچہ چشمۂ فیض محمدیہ سے سیراب تھے۔ لیکن بلحاظِ اطلاقِ تعلیم وبمناسبتِ اخلاق تربیت ضرور کسی نہ کسی پیغمبر یا فرشتہ کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ کسی جنگ میں آپ نے اسیروں کی نسبت مشورہ لیا۔ تو اختلافِ رائے صاحبین پر آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ کی مثال میکائیل کی ہے۔ اور عمرؓ کی جبرئیل کی۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ من شاء ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فھمہ والی ابراہیم فی حلمہ والی موسیٰ فی زھدہ فلینظر الی علی بن ابی طالب وفی حدیث عیسیٰ فی صفوۃ نزھۃ ۲ صفحہ ۲۷، ابوبکرؓ مثل مسیح، عمرؓ مثل نوحؑ، علیؓ مثل نبیؑ۔ اسی طرح بعض صحابہ کلاً اور بعض جزءً بمناسبت طبعی انبیاء سے کسی نہ کسی نبی کے رنگ میں رنگین تھے۔ اس رنگ کے لحاظ سے یہ کہنا اگرچہ بعض ظاہر پرستوں کو سخت ناگوار ہوگا۔ لیکن حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ سردار انبیاء کی جماعتِ خدامِ انبیاء علیہم السّلام تھے۔ ظاہر بین اگر غور کریں تو۔ باعتبارِ حدیث علماءِ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل حضرت صحابہ کرام جو افضل العلماء العظام ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام سے وہی مشابہت رکھتے ہیں۔ جو صورتاً تا و ثا و حا و خا و عین و غین۔ اور معنے جذب وجبذ کی ہے۔

صحابہ عدداً وصفاتاً مثل انبیاء تھے۔ وہ بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار یہ بھی اتنے۔ اور ہر ایک ہر ایک نبی کے رنگ میں کہ جس سے اس کو فطرتاً و قدرتاً بلکہ صورتاً علی الخلقت و سیرتاً علی الترتیب مناسب تھی، رنگین تھا۔ ان کی حکومت، امارت، زہد، عبادت، جہاد، اشاعت مشابہ انبیاء تھی۔

جناب سید کائنات مخزن عنایات مظہر انوار ذات۔ ظہور تجلیات صفات علیہ و آلہ الصلوٰت والتحیات کے فرمان اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم میں یہی رمز ہے۔ انبیاء آسمان رسالت و نبوت کے ستارے ہیں۔ اولیاء فلک ولایت کے تارے۔

حق تعالیٰ نے جب سے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب[1] وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ تمام انبیاء کو آپ کی طاعت نصرت و معیت کا حکم دیا۔ تو وہ اس سعادت کے حاصل کرنے کے شائق تھے۔ دنیا میں اپنی اس تمنا اور جوش کو جی میں لے گئے حق تعالیٰ نے ان کا شوق پورا کرنے کے لئے ان کا رنگ ظاہری و باطنی دے کر اسی شمار کی ایک جماعت اس موعود و صاحب میثاق نبی کی اشاعت نصرت و معیت کے لئے قائم کردی۔ جن کے دلوں میں بحسب مراتب وہی شوق و جوش تھا۔ یعنی ہر ایک نبی کی اس تمنا کو جو بباعث نہ پانے زمانہ معہود لہٗ کے پورا نہ کرسکے کسی دوسرے وجود کے ذریعے سے جو اس

---

[1] انوار المحمدیہ صفحہ ۲۷۹ و نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۴۳۔ ۱۲

سے مناسبتِ طبعی رکھتا تھا۔ اور قدرت نے اِسے اُس کے بعض اخلاق پر متخلق کر کے دُنیا پر بھیجا۔ پورا کر دیا۔ جیسا کہ بحسب تصریح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درجۂ شہادت جہری کو بذریعۂ وجودِ امام حسین علیہ السّلام الحسین منی و انا منہ آپ کے ہمرنگ تھا۔ پورا کر دیا۔ یہاں حسبی و نسبی دونوں رنگ تھے، وہاں صرف حسبی۔

پھر صحابہ سے علی التفاوت یہ رنگ تابعین نے لیا پھر تبع نے بحسب مناسبتِ طبعی۔ چنانچہ خیرالقرون سے آگے نکلے تو اِسی رنگ کو انقطاع زمانہ تک پہنچانے کی ایک جماعت نے کوشش کی۔ جنہیں بعد از صحابہ و تابعین اولیاء اللہ مانا جاتا ہے یہ جماعت بمناسبتِ طبعیت و موافقتِ جبلت مصبوغ باصباغِ انبیاء تھی۔ اور وہ مصبوغ بہ صبغۃ اللہ (ذات سید کائنات) تھے۔ اور آپ کے قدم بقدم چلنے کی برکت سے بحکم مناسبت التابع للمتبوع مرتبہ جامعیت حاصل کر چکے ہیں۔

رمزِ درویشی یہ ہے۔ کہ میں عالم کبیر ہوں۔ اور عالم صغیر نسبتاً میری نظر میں مثل خردل ہے۔ اور مجھے اپنے عالم کبیر ہونے کا علم اپنی جدِ اعلیٰ اور جدِ اوسط علی مرتضٰے سے ملا ہے۔ کہ فرماتے ہیں۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ آپ نے اپنا منبعِ فضل و کمال ولایتِ محمدیہ۔ اور مرکزِ ظہورِ جلال و جمال دائرہ احمدیہ کو قرار دیا ہے۔ جو کہ علے قدم النبی بدرالکمال کا مدعا ہے۔ اور ظاہر کر دیا ہے کہ مابہ وصال مذکور الصدر (شروع قصیدہ میں) اقتدا بالنبی المصطفٰے علیہ من

اللہ التحیۃ والثناہے۔ اور چونکہ اسباب اقتدار بالنبی المصطفیٰ یعنی قدم بقدم چلنے کے دو ہیں۔ علم و عمل۔ اسلئے آپ نے اپنے عند اللہ علو منصبی کا سبب حصولِ تو عمل یعنی اقتدار بیان کیا ہے۔ اور عمل کا علم۔ اور علم کیلئے مولے الموالی کی توفیق۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْباً ۲۵
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

میں نے علم الٰہی حاصل کرنے میں بہت کوشش کی یہاں تک کہ میں قطب ہو گیا اور مالکوں کے مالک اور وارثوں کے وارث (ذات حق) سے یہ توفیق و یمن و برکت پائی۔

یہاں علم سے مراد علم باطن و اسرار معرفت کی ہے نہ صرف نحو و منطق و کلام وغیرہ کی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم باطن کی بناء اور اسرار معرفت کی اساس علم کتاب و سنت ہے جس میں تہذیب نفس اور انواع مجاہدہ و ریاضت اور اقسام قرب و وصول (حصول مشاہدہ و ظہور تجلیات کا بیان ہے۔

حتی۔ کہ انتہائے غایت کے لئے ہے نہایت صبر و استقامت پر دال ہے، قرآن شریف کی ایک آیت فاستقم کما امرت اور ایک ہی حدیث

کو نے الدنیا کانک غریب او عابر سبیل علم و عمل کے کافی ہے
اور استقامت، وہ چیز ہے کہ ایک وقت جب کسی نے رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ فرماتے ہیں مجھے سورہ ہود نے بوڑھا
کر دیا ہے وہ کون سی آیت ہے جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا ہے تو فرمایا
آیت فاستقم کما امرت نے یعنی اس غم سے کہ خدا کرے میں اس حکم
کی تعمیل میں پورا اتر آؤں۔

استقامت جس چیز کو کہتے ہیں کتب صوفیہ سے دیکھو یا بحکم کونوا
مع الصادقین اور واتبع سبیل من اناب الیّ اور حدیث اذا رایتم
العبد لیعطے زہد فی الدنیا و قلۃ منطق فی الکلام فاقتربوا منہ
فانہ یلقے الحکمۃ کسی کامل کی صحبت میں پاؤ۔ میں (مترجم) اس کے علم
و عمل دونوں سے نابلد ہوں۔ ناظرین دعا کریں کہ حق تعالیٰ اس کا
علم و عمل دونوں سے نابلد ہوں۔ ناظرین دعا کریں کہ حق تعالیٰ اس کا علم و عمل
اپنے پیاروں کے طفیل مجھے بھی عطا فرما دے۔

حضرت قطبا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھکو ذاتِ سرور کائنات مایۂ
وجود موجودات علیہ الصلوات والتحیات کے قدموں قدم چلنے یعنی اقتدا
نسبت کرنے سے کمال حاصل ہوا۔ اس طرح کہ عمل پر مولی الموالی کی نظر توجہ
و عنایت نے یاوری کی۔ اور چونکہ توفیق باری اور قدرت کی یاوری سے مجھے
علم ملا اور علم کے ذریعہ سے مجھے طریق عمل معلوم ہوا اور میں نے عمل میں استقامت
و صبر ... کی نتیجہ یہ ہوا کہ میں نہ یہ اثر ولایتِ محمدیہ قطب قائم ہوا۔

قطبِ غوث اپنے وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اور موقعِ نظرِ باری تعالیٰ ہے اور پہلے پہل فیضِ ربّانی اسپر وارد ہوتا ہے اور اس سے تمام جہان کو ملتا ہے یہ اپنے وقت میں ایک ہی ہوتا ہے اس کا کھانا پینا۔ بیٹھنا اٹھنا۔ بات چیت۔ بود وباش اور تمام روّیہ۔ غرض کہ تمام حرکات و سکنات۔ اقوال وافعال تصرف وغیرہ مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہیں کیونکہ وہ حضور کا نائب اور غلام اور آپ کی طرف سے بعہدۂ خلافت ممتاز ہے اور آپ کا خلیفہ خلیفۃ اللہ ہے اس کا نام عبداللہ وعبدالجامع اور حق تعالیٰ کے دیگر اسمائے حسنےٰ کی طرف مضاف ہوتا ہے اوّل اس کو حروفِ مقطعات کے معنے واسرار سمجھائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے سوا وہ درجۂ قطبیت کے لائق نہیں ہوتا وہ آئینۂ حق و واقفِ راز اور علم جہرالہور کا عالم ہوتا ہے اور اس کا خاصہ ہے کہ خدا وندکریم کے سامنے اس کا ایسا وقت ہے کہ جس پر اور کوئی واقف نہیں ہوتا اسی کے وجود کی برکت سے دائرۂ وجود کون وفساد محفوظ رہتا ہے کوئی زمانہ قطب سے خالی نہیں رہتا اور قطب ہر شہر ودیہہ میں اس کی برکت سے حق تعالیٰ اہلِ شہر واہل دیہہ کو محفوظ رکھتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ ف اور یہی برکت کسی زاہد عابد کی بھی اس شہر یا گاؤں کے لئے ہے جس میں وہ رہتا ہے۔

کبھی کوئی قطب غوثیت کا مرتبہ رکھتا ہے اسے قطب الاقطاب کہتے ہیں اور سب قطب اس کے نائب ہوتے ہیں اور یہ قطب ہر زمانہ

میں خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی تعداد کی یہ حالت نہیں۔ کتاب میں تعداد کے لحاظ سے اشارہ ہے کہ زیادہ ہوتے ہیں۔ مترجم

میں اہل بیت رسالت و نبوت سے ہوتا ہے (اسعاف الراغبین صـ ۱۲۲)
اور وہ اس قدر اختیار رکھتا ہے کہ کسی قطب کا درجہ چھین لے یا رہنے دے
اور اسے غوث الاعظم بھی کہتے ہیں فرد بھی وہی ہے اور یہ بالا صالت فریاد رس
ہوتا ہے اسی درجہ کا نام قطبیت الکبرےٰ و ختم الولایت ہے جو بحکم وراثت
زیر سایہ خاتم النبیین حبیب حق عطا ہوتا ہے حضرت غوث الاعظم
جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قطبیت کے لئے سولہ عالم طے کرنے پڑتے
ہیں جیسے یہ دنیا و آخرت ایک عالم ہے اور اس بات کو وہ جانتا ہے
جو قطب ہو (الیواقیت والجواہر امام شعرانی جلد ۲ صفحہ ۷۳ - اور
مطالب رشیدی صفحہ ۱۱۳ و ۲۶۴ و مصطلحات فتوحات مکیہ صفحہ ۱۰۱
و فتح الربانی صفحہ ۱۱۳ -

یہ ہے قطب اور قطبیت الکبرےٰ آپ فرماتے ہیں کہ میں قطبیت
الکبرےٰ طے کر کے غوثیت العظمےٰ اور اس سے مترقی ہو کر اس درجہ میں
پہنچ چکا ہوں کہ میرے مرید میرے واسطے سے قطب بن گئے ہیں مگر وہ
اس درجہ کے قابل کیسے ہوئے ان کے مجاہدے اور ریاضتیں کیا ہیں نفسانی

۲۶ رِجَالِی فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ
وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّاٰلِیْ

خواہشوں کو کیسے دور کیا۔ ان کا نشان کیا ہے وہ کون ہیں یہ کہ جو میرے مرید ہیں وہ سست اور یادِ حق سے غافل نہیں بلکہ سخت گرم دنوں میں روزہ دار رہتے اور رات کے اندھیرے میں حضورِ الٰہی میں کھڑے، مثل موتیوں کے چمکتے ہیں۔

آپ نے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ میرے مرید جو درجات پانے کے قابل ہو کر ولی۔ ابدال۔ قطب بن گئے ہیں ان کا ظاہر نشان یہ ہے کہ اُن سے بجا آوری فرائض الٰہی میں ہرگز ہرگز ایک لمحہ بھی قصور نہیں ہوتا بلکہ ادائے نوافل میں کہ بحکم حدیث اذا تقرب الی عبد بالنوافل باعث حصول قربِ ربانی ہیں۔ ایکدم ان سے سستی نہیں ہوتی جب دیکھو عبادت الٰہی میں لگے ہیں مجاہدہ نفس میں ایسے ہوشیار ہیں کہ سخت گرم دنوں میں جبکہ نفس آب سرد چاہتا ہے یہ روزہ رکھتے ہیں اور اندھیری راتوں میں جبکہ نفس کی خواہش پوری نہیں ہوتی کہ مجھے کوئی دیکھے یہ خدا کا خوف اور محبت دل میں لئے عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور نفس کے کہنے کو نہیں مانتے۔

روزہ[1] بڑی مقبول عبادت ہے اور ظاہر باطن کی نفس کشی۔ ظاہر کھانے پینے۔ جماع وغیرہ منہیات کے خیالات سے رکنا۔ باطن کھانے پینے جماع و دیگر وساوس شیطانی و خطرات نفسانی سے دل کو پاک رکھنا

---

[1] حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے بالصوم لی وانا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لئے ہو تو میں ہی اس کی جزا ہوں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ الصوم جنۃ یعنی روزہ شمشیر عذاب سے بچنے کیلئے ڈھال ہے

صوفیوں کا قول ہے الصوم نصف الطریقۃ یعنی روزہ آدھی طریقت ہے یہی وہ روزہ ہے کہ جس کے لئے کبھی افطار نہیں آپ ہی فرماتے ہیں صوم الزاہد نہاراً وصوم العارف نہاراً ولیلاً لا فطر لصومہ حتے یلقی ربہ عزوجل۔ یعنی زاہد کا روزہ تو دن کا ہے اور عارف کا روزہ دن اور رات کا۔ تادوام کہ دم مرگ تک نہیں کھلتا (فتح الربانی۔ مطبوعہ مصر ۱۲۸۱ھ)

اسی طرح نماز بھی بظاہر چند حرکاتِ بدنی پر مشتمل ہے لیکن باطناً نیازِ دل اور اخلاص پر موسس ہے۔ جس شخص کا دل ہر وقت جناب الٰہی کی طرف مستقیم ہے اور اس کا کوئی دم یاد سے غافل نہیں تو ایسے قلبِ سلیم والا درحقیقت ہر دم نماز میں ہے ایسی نماز کہ جس سے یاز نسبت فارغ ہونا ہی نہیں۔ مگر کوئی باطن ایسا نہیں جس کا ظاہر نہ ہو۔ اور ظاہر بقول صحیح کل اناءٍ یترشح بما فیہ اپنے باطن کا مظہر ہے حق تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن معاً دونوں کے ساتھ عبادت میں مشغول رہے اپنے ظاہر سے وقتی اور باطن سے دوامی کام لے نہ ظاہر کو معطل رہنے دے نہ باطن کو پہلے اپنے وقت کو صاف کرے پھر باطن کو۔ وقتی قبل قلبی قد صفائی میں یہی طریق مشار الیہ ہے۔

قرآن کریم میں پاک باطن صائمین و قائمین کی علامت یہی ہے کہ طریقہ انیقہ محمدیہ پہ ظاہر نماز و روزہ کا پابند ہو قطبوں کے سردار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف میں فرماتا ہے۔ تراھم رکعاً سجداً یبتغون

فضلاً من اللہ ورضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔
جب تو ان دا اپنے مریدوں کو دیکھئے تو یہ تو رکوع میں نظر آتے ہیں۔ یا سجدہ
میں۔ اور اس محنت سے ان کی غرض محض اللہ کی خوشی اور اس کے فضل کی
ہے ان کے چہرے ہی سے پتہ لگتا ہے کہ یہ صاحب اخلاص وعبادت ہیں
ان کے چہرے نور ایمان سے منور ہیں۔

وفی ظلم اللیالی اندھیری رات میں جبکہ کوئی نہ دیکھ سکے۔ خدا
کی عبادت کرنا بھی ریا و شرک سے پاک اور نہایت مقبول ہے دن کو
صائم رہنا اور رات کو قائم یا نسیاں کہ کسی کو نہ اس کے صوم کی خبر ہو
نہ قیام شب کی۔ اور باایں ہر وقت کا خواہش نفسانی سے روزہ رکھنا
اور ہر دم نماز و نیاز میں رہنا علامات مقربان الٰہی ہیں انہیں لوگوں کے
وہ دن ہیں اور انہیں کی راتیں جن کی حق تعالٰے نے قسم کھائی ہے۔ واللیل
اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلّٰی۔

مشکوۃ شریف کے باب الریاء والسمعہ فصل ثالث صفحہ ۴۵۶ میں ایسے
آدمیوں کی نسبت جو خلوت مصنوعی میں خلوص قلب سے فرائض الٰہی
ادا کرنے والے۔ اور خلوت قدرتی میں باطنی نماز روزہ ادا کرنیوالے
ہیں فرمایا ہے ان اللہ یحب الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین
اذا غابوا لم یتفقدوا وان حضروا لم یدعوا ولم یقربوا
قلوبہم مصابیح الھدیٰ یخرجون من کل غبراء مظلمۃ رواہ ابن
ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان بے شبہ اللہ تعالٰی ان پاک

اور متقی بندوں سے محبت رکھتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اگر کئی دن تک کسی کو نظر نہ آویں تو کسی کو ان کا خیال نہیں آتا اور اگر سامنے ہوں تو کوئی انھیں بلاتا نہیں اور نہ پاس آنے کا روادار ہے مگر اللہ کے نزدیک ان کا یہ درجہ ہے کہ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور وہ ایسے روشن دل ہیں کہ ویرانہ اور اندھیری کوٹھڑیوں میں رہتے ہیں اور وہاں سے ہی نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔

کَاللَّآلِیْ جمع لؤلؤ تشبیہ ہے اور رجالی ربّانی کی صفت سخت گرمیوں میں روزہ دار اور اندھیری راتوں میں خدا کے حضور میں دست بستہ حاضر۔ اور باہم ظاہر ہر دم باطنی روزہ نماز میں مشغول رہنا مشبہ ہے اور وجہ شبہ خدا کے نزدیک عظیم القدری جیسے لولو مخلوق کے ہاں نہایت قدر رکھتے ہیں اور ظاہری و باطنی صفائی و روشنی۔ کیوں کہ خدا کے نزدیک شب بیدار آدمیوں کو صبح صبح صفائی جبین اور روشنی چہرہ حاصل ہوتی ہے جس کو لوگ دیکھتے ہیں کہ وہ کیسا چہرہ ہو اصطلاح عُبّاد میں اس کو حسن عبادت و نور اطاعت کہتے ہیں۔

یہ صفائی خلوص و بے ریائی۔ اور شوق ذوق سے ملتی ہے۔ مستطرف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے قیل للحسن ما بال المتھجدین من احسن الناس وجھا فقال انھم خلوا بالرحمن فالبسھم نورا من نورہ یعنی حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ تہجد خوانوں کے چہرہ پر ایک اس قسم کی روشنی دکھائی دیتی ہے کہ وہ سب سے خوشترو

نظر آتے ہیں وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ اللہ کے ساتھ ہردم خلوت میں ہوتے ہیں اس لئے اس کے نور کا رنگ ان کے چہرہ پر چڑھ آتا ہے ابو صفوان بن عوانہ کہتے ہیں کہ اس شخص سے بہت سوہنا کون ہے جو سفید کپڑا پہنے پچھلی رات چاندنی میں کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہو گویا وہ ایک نورانی فرشتہ ہے۔

ان ابیات میں حضور پیران پیر نے اپنے علو مقامات وسمو درجات کے دو سبب بیان کئے ہیں ایک وہبی (لعیتی فنی وحسبی ذو الجلال) دوسرا کسبی (درست العلم حتی صرت قطبا) اور ان کے اسباب توفیق رب الارباب (ونلت السعد من مولی الموالی)

اب آپ ظاہر کرتے ہیں کہ توفیق حسب کا اشارہ ہے اگرچہ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ہے لیکن جو بات اس میں یا اثر اور میرا مایۂ فخر ہے وہ انتساب بجناب رسالتمآب ہے جن سے میں منتسب ہوں منسوب اگرچہ کیسا ہی غیر محسوب ہو لیکن منسوب الیہ جب صاحب عزت ہو تو اس کا لحاظ کیا جاتا ہے مفسرین نے وکان ابوھما صالحا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ شخص ان یتیموں کی جن کے مال کی حفاظت کے لئے حضرت موسیٰ وخضر کو دیوار درست کرنے کا حکم ہوا تھا ساتویں پشت تھا۔ یہاں تو منسوب الیہ حبیب ہے۔ اور منسوب محبوب۔ اور نسبت کیسی نسبت۔ فرماتے ہیں۔

۲۷	أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِيْ وَأَقْدَامِيْ عَلٰى عُنُقِ الرِّجَالِ

میں دحبیب حق کے جگر کا گوشہ - امام مسموم - راکب دوش نبیؑ ابن علی ، حسنؑ پاک کی اولاد سے دادیاں کے ذریعہ سے مالکِ درجات وسیلۂ عطیات سید کائنات علیہ وآلہ الصلوٰت کو ملتا ہو بلحاظ اسی نسبت کے مجھے قطبیتِ کبرےٰ عطا ہوئی گویا میں قطب نسبتی ، ہوں مخارع کہ مقام مخصوصۂ قطب ہے وہ میرا مقام ہے اور میرا قدم دوسرے قطبوں کی گردن پر ہے ۔

انا الحسنی آپ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے امام حسنؑ علیہ السلام کو گیارہویں پشت میں ملتے ہیں آپ کے والدِ عزیز کا نام ابوصالح موسےٰ ان کے والد شریف ابوعبداللہ ان کے والد ماجد یحییٰ زاہد - ان کے والد معظم محمدؒ - ان کے والد مکرم داؤد - ان کے والد بزرگوار موسےٰ - ان کے والد مجد عبداللہ محض - ان کے والد مطیب حسن مثنےٰ - ان کے والد مطہر امامِ انام حضرت حسن علیہ وعلیہم السلام

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے امام حسینؑ علیہ السلام کو چودھویں پشت میں ملتی ہیں آپ کی والدہ شریفہ رضی اللہ عنہا بیٹی ہیں سید عبداللہ صومعی کی وہ بیٹے ہیں امام ابوجمال الدین سید محمد کے - وہ بیٹے ہیں امام سید محمود کے - وہ بیٹے ہیں امام سید ابوالعطاء عبداللہ کے وہ بیٹے ہیں - امام سید کمال الدین علیے کے - وہ بیٹے ہیں امام سید ابو علاء الدین محمد جواد کے - وہ بیٹے ہیں امام ہمام علی رضا کے - وہ بیٹے ہیں امام ہمام موسیٰ کاظم کے - وہ بیٹے ہیں امام ہمام جعفر

صادق کے ۔ وہ بیٹے ہیں امام ہمام محمد باقر کے وہ بیٹے ہیں امام ہمام زین العابدین کے ۔ وہ بیٹے ہیں سید الشہدا امام ہمام حسین علیہ وعلیہم السلام ۔

جناب امام حسن وجناب امام حسین علیہما السلام کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں ۔ اور بے شبہ جو نسبت ان کو جناب سرور عالم اور بے شبہ جو نسبت ان کو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے ۔ اور کسیکو نہیں ۔ اگرچہ ان کا اخلاص بالعمل ۔ ان کا زہد ۔ ریاضت ۔ طاعت ۔ عبادت بھی اس درجہ کی ہے کہ جس درجہ پر وہ ممتاز تھے ۔ اور دوسرا کوئی کم کر سکتا ہے لیکن یہ مادر زاد ہی اپنے درجہ میں فرد پیدا ہوئے اور بلحاظ نسبت بجناب رسالت ان کو وہ منزلت حاصل ہے کہ کسی قطبیت اس سے کہیں دور پیچھے رہ جاتی ہے بحکم حدیث مرویہ ترمذی الحسن والحسین سید شباب اھل الجنۃ بہشت میں سب کے جن میں انبیاء اللہ بھی شامل ہیں ، سردار ہیں ۔ نبی اللہ کے خون کے سبب سے بحکم آیہ والحقنا بہم ذریتہم الآیۃ یہ درجہ نبوی میں شامل ہیں پھر ان کی اولاد یہاں تک کہ کسی ان سے منتسب صحیح النسب کو نار جہنم نہ چھیڑے گی چنانچہ آپ نے فرمایا ہے من مس دمی دمہ لم تصبہ النار یعنی جس کے خون سے میرا خون مل جاوے تو اسے آگ نہ لگے گی ۔

الحمد للہ کہ میرے پیر و مرشد قبلہ زین الفقراء سید

قضیب اللہ شاہ رضوی مشہدی قدس اللہ سرہٗ بذریعہ ان پاک اماموں کے جناب ختم المرسلین سے ظاہری باطنی بنسبت صحیحہ سے منتسب اور آپ کا خون قطب الاقطاب حضرت موسےٰ مبرقع کی جہت سے حضرت امام رضا علیہ السلام سے آمیختہ ہے اور میں گنہگار اپنے گناہوں سے شرمسار بندہ محمدؐ اعظم بن محمدؐ یار بحکم حدیث صحیح مرویہ بخاری المرءمع من احب بذریعہ محبت پیر نجات از نار کا امیدوار ہوں ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

امام علیہ السلام کا درجہ صوفیوں میں وہ ہے جو امیتوں میں کسی نبی و رسولؐ کا آپ نے دنیا کی مملکت ایک دم چھوڑ دی - اور ایک کسی طالب دنیا کے حوالہ کر دی لوگوں کے برا بھلا کہنے پر نفس کو ذرہ بھر جنبش نہ ہوئی بلکہ اَلْعَارُ اَخْتَرَتْ عَلَے النَّارِ کہکر سب کو ٹال دیا یہ کس قدر بہادری ہے ایسی نفس کشی کوئی کر کے دکھائے تو ہے اکدم تمام آدمیوں کو اپنی حکومت سے آزاد کرو دنیا انھیں کا کام ہے آپ کی تبعیّت میں حضرت معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان نے بھی یہی حوصلہ دکھایا اور آیہ کریمہ یخرج الحیّ من المیّت کا مصداق ہو کر اپنا نام قطبوں میں درج کرایا اور سعادت ابدی و حیات جاوید کو پایا - ان کے بعد حضرت ابراھیم ادھم شاہ عجم نے بھی یکدم تخت چھوڑ کر یہی کمال دکھایا اور پل میں تاج شاہی اتار کر الفقر فخری

کا تاج پہنکر قطبیت پر جلوہ آراء ہوئے لیکن بحکم حدیث من سن سنۃ حسنۃ فی الاسلام فلہ اجرھا و اجر من عمل بہا اور مقولہ مقبولہ الفضل للمتقدم امام حسن علیہ السلام کا کمال بے زوال مسلّم ہے حضرت پیر قدس سرہٗ اسی غوث سے تھے اور یہی نسبت تھی جو آپ کمال بر کمال مانزال عال کا باعث تھی۔

مخدع مقامی - مخدع وہ مقام ہے جہاں قطب کو تصریف کامل فی الوجود فی الاشیاء عطا ہوتا ہے اور افراد واصلین سے مخفی ہے۔

علی عنق الرجال - الرجال کا الف لام عہد ذہنی ہے اور رجال سے مراد وہی مرید جو آپ کی نظر توجہ اور عنایت الٰہی سے درجہ قطبیت کو پہونچ گئے کہ اگرچہ درجہ میں قطب ہیں لیکن آپ کے تربیت کردہ ہیں تو ان کو اپنا ماتحت کہنا کیا برا ہے اور اس میں کیا شطحیہ ہے بہجۃ الاسرار مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۴ کے صفحہ ۱۲ .... میں ہے۔

خبر دی ہم کو ابو محمد حسن بن ابی القاسم احمد بن محمد ابی القاسم اور خلف بن احمد بن محمد بغدادی حریمی معروف جدہ بن توقانی قاہرہ میں ۶۶۱ھ میں اس نے کہا خبر دی ہم کو محمد بن دلف نے بغداد میں ۶۲۵ھ کہا خبر دی ہم کو شیخ ابو القاسم بن ابی بکر بن احمد بن ابی السعادات احمد بن کرم نے دجود راصل بند بیچ کے بیٹھے اور

سکون کا ارج تھا، بغداد میں سنہ ۵۹۳ھ میں کہا کہ میں نے شیخ خلیفہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں کہ میرا قدم سب ولیوں کی گردن پر ہے فرمایا سچ کہا ہے اور وہ کیوں نہ کہے وہ قطب ہے وہ میرا پرورش کردہ اور میری اس پر مہربانی ہے۔

آپ نے اقدامی علی عنق الرجال۔ اس لئے کہا ہے کہ آپ کے اجداد وہ ہیں جن کو لوگوں نے اپنے سر پر اٹھایا اور ان کو اپنا سردار بنایا اور ان کے زیر فرمان ہوئے تو جب آپ کے اجداد جو سربلاد ہیں اکابر زہاد واعاظم عباد و صاحب ارشاد گذرے ہیں اور آپ کا بھی وہی علم و عمل ہے تو لوگ آپ کے بھی ویسے ہی تابعدار فرمانبردار ہیں گویا زیر قدم ہیں مجازاً رجال کی گردنوں پر پیر رکھنا یہی ہے

آپ نے نسبت مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے اپنا حسنی ہونا بیان کیا ہے چونکہ حسنی دنیا میں بہت ہیں اس لئے کشف ابہام کے لئے توضیحاً فرماتے ہیں کہ وہ حسنی میں ہوں اور محی الدین

۲۸	اَنَا الْجِیلِیُّ مُحْیِی الدِّیْنِ اِسْمِیْ وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَأْسِ الْجِبَالِ

؎ یہ جملہ تمثیلی ہے بیان ظہور کے لئے۔

میرا نام ہے اور میرا نشان کے جھنڈے پہاڑوں پر لہرا رہے ہیں۔

جیلی کنارہ دجلہ پر ایک گاؤں ہے جو بغداد شریف سے ایک دن کی مسافت اس راستہ پر واقع ہے جو واسط کو جاتا ہے آپ اسی گاؤں میں رمضان شریف کی پہلی تاریخ ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے اس دن کی رات بادلوں میں چاند نے دکھائی نہ دی آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میں نے ہر چند آپ کو دودھ دینے کی کوشش کی لیکن نہ پیا بعد غروب آفتاب پیئے سے ثابت ہوا کہ آج روزہ تھا۔

۴۸۸ھ ہجری میں آپ بغداد شریف میں تشریف لائے اور ۵۶۱ھ ہجری میں بعمر ۹۰ سال در رجب فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر پایا کسی نے عربی بیت میں آپ کی تاریخ تولد و عمر بیان کی ہے سہ ان باز اللہ سلطان الرجال۔

جاء فی عشق ومات فی کمال اور فارسی میں لکھی ہے ستینش کامل و عاشق تولد وفاتش واں زمعشوق الہی

دین کا زندہ کرنے والا۔ دین تو اعتقاد و اعمال کا نام ہے اس کا مرنا لوگوں کا عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کو چھوڑ دینا اور ترک انصاف و عدالت ہے اور اسلام کی کمی بیشی، مردگی و افسردگی زندگی و پاشندگی مسلمانوں کی بری یا بھلی حالت

پر ہے ورنہ دین کی ذات میں کچھ تغیر و تبدل نہیں جس زمانہ لوگ شرک و بدعت کے کاموں میں شاغل اور دینی کاموں سے غافل ہوں تو عام محاورہ میں دین کو مُردہ کہتے ہیں اور جب خدا کی یاد اور عمل بتوحید۔ ترک بدعت وعمل بسنت ہو تو دین کو زندہ کہتے ہیں اس زمانہ میں جبکہ آپ بغداد میں تشریف لائے بباعث جور و ستم و عیش پسندی خلفائے عباسیہ بمصداق مقولہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ عام لوگوں کی اسلامی حالت اچھی نہ تھی اس لئے آپ نے دفع شرک و بدعت و اشاعتِ توحید و سنت میں بہت کوشش کی اور ظاہری و باطنی طاقت سے کام لے کر لوگوں کے لئے راہ دین حق صاف کر دیا اس لئے دیندار آپ کو محی الدین کہا کرتے تھے جیسا کہ اصحابِ ظواہر بغوی کو محی السنت کہتے ہیں۔

چونکہ ہر ایک عمل صالحہ خدا کے نزدیک متقوّی ہے اور پاک باطن روشن ضمیر آدمیوں کو کسی چیز کی موجودہ صورت دکھائی جاتی ہے اور اگر وہ قابل اصلاح ہے تو انہیں کو مستعد کیا جاتا ہے اس لئے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ بغداد شریف میں بغرض نماز جمعہ جامع مسجد کو تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک نحیف و متغیر اللون شخص کو زمین پر پڑا پایا جب آپ اس کے قریب آئے تو اس نے کہا مجھے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیجئے آپ

نے کردیا دیکھتے دیکھتے وہ تازہ و توانا ہو گیا آپ نے پوچھا تو
کون ہے۔ کہا میں ہوں دین مسلمانوں کی لاپرواہی سے میرا
یہ حال ہو چکا تھا اب میں آپ کے ہاتھوں تازہ ہوا آپ مسجد
میں تشریف لے گئے جو آپ کو دیکھتا محی الدین کہہ کر پکارتا
اسمی میں اسم یہاں معنی معروف پر نہیں۔ بلکہ یہاں
اسم معنے وجودی کی مراد ہے کیوں کہ اسم دو قسم ۱۔ اسم عین
۲۔ اسم معنی۔ اسم عین دال ہے اپنے اُن معنی پر کہ اس کی ذات
سے قائم ہوں۔ جیسے زید اور اسم معنی وہ ہے جو اپنی ذات
میں قائم نہ ہو خواہ معنی اس کے وجودی ہوں۔ جیسے عالم۔ یا
عدمی ہوں جیسے جاہل۔ یہاں آپ کو اپنا ایک وصفی نام
جتانا منظور ہے جس سے آپ کا کمال اور باعث کمال خدمت
اسلام بوجہ اتم ثابت ہو تحتی کہتے ہے بھی آپ کی یہی غرض
کہ میرے اجدادنے باقامت الحجۃ القاطعۃ علی حقیت
الاسلام دین کو زندہ کیا اور جد اوسط امام حسن رضؓ پاک نے
محض اسلام کے زندہ رہنے کی خاطر سنتِ نفس کشی کو زندہ
کیا اسی طرح میں نے بھی کیا کیوں کہ وہی اثر میرے
وجود میں ہے اور میں اس کا استحقاق رکھتا ہوں کہ مجھے
محی الدین کہا جائے یہ تو میرا وصفی نام ہے اور میرا علمی نام

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ
وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِیْ ۲۹

عبد القادر ہے اور جد پاک مالک لولاک مورد ما ارسلناک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو چشمہ جمیع کمال ہیں والحمد للہ علیٰ ذلک نحمدہ حمد الشاکرین

۱۴۱ ھ ۱۳

وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَبَدًا اَبَدًا وَّعَلٰی آلِہٖ الطَّاہِرِیْنَ

وَاَصْحَابِہٖ وَاَحْبَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

وھذا ما کنت اقصدہ وما قصدت من القصیدۃ

الا مقصودے وھو معبودے ومسجودے

قطعۂ تاریخ

ختم شرح قصیدۂ غوثیہ از خاکسار شارح غفرلہ ولوالدیہ

شرح قصیدۂ غوثیہ جسکی نہیں کچھ ریس ختم ہوئی الہام کی ہمیر ایک انیس
حرفی صوت ساتھ سب علد دی شکل جا ایک ہزار اور تین سو گیا دہ نو بائیس

علد دی شکل دا ہے بعد اکر نیسے ۱۳۴۲ھ

تمت

تمام شد

مطبوعہ:- منصور پرنٹنگ پریس حیدرآباد۔

شجرہ نقشبندیہ عالیہ

دست گیری کر محمد مصطفےٰ کے واسطے
آل اور اصحاب جملہ انبیا کے واسطے

درد اپنا کر مرے دل میں نصیب
بوبکر صدیق اکبر باصفا کے واسطے

عشق میں اپنے خداوندا بنا میرے کباب
صاحب سلمان فارس باحیا کے واسطے

ماسوا اللہ دل سے ہو جائے دور سب میرے خیال
آں امام قاسم صاحب نوا کے واسطے

نفس کافر کے شر سے یا الٰہی لے بچا
جعفر صادق امام الاتقیا کے واسطے

یا الٰہی شر شیطاں سے مجھے آگاہ کر
صاحب آں بایزید رہنما کے واسطے

کوئی دم غافل نہ ہونے پاؤں تیری یاد سے
خواجہ بوالحسن تاج الاولیاء کے واسطے

کر مجھے یارب تو اپنی ذات مطلق میں فنا
اس شہ بوالقاسم پیر ہدیٰ کے واسطے

اے میرے رب بین مطلق ذات سے مت غیر کر
بوعلی پیر و مرشد باوفا کے واسطے

غیریت کو غیر دل سے دے حضوری مدام
خواجہ یوسف شاہ مقبول الدعا کے واسطے

روح میری نقل سے ہو اصل میں یارب شمول
عبدالخالق غجدوا شافع خدا کے واسطے

معرفت دے نفس کی تا اصل کو پہچان لوں
آں محمد عارف نور خدا کے واسطے

مشتمل کر دائرہ عشاق کا معشوق
خواجہ محمود الخبیر غنا کے واسطے

وصل میں تیرے کرے آرام یہ ہر دم غریب
شہ عزیزاں علی مرتضیٰ کے واسطے

لطف و رحمت سے خطائیں کر جملہ میری معاف
خواجہ بابا محمد بادا کے واسطے

یا الٰہی امت احمد میں تو کر بے شمار — سید میر کلال با رضا کے واسطے

رکھ شریعت اور طریقت پر مجھے تو مستقیم — شہ علاء الدین عطار ضیا کے واسطے

کر محبت پیر کی مجھ کو خداوند اعلیٰ — خواجہ یعقوب چرخی بے ریا کے واسطے

یا الٰہی کر مجھے مقبول پیران عظام — آں عبید اللہ احرار سخا کے واسطے

عشق میرے پیر کا دل میں میرے دے سما — خواجہ زاہد محمد مجتبیٰ کے واسطے

پنا پیراں پہ ہر دم رہے یا رب خیال — خواجہ درویش محمد دلربا کے واسطے

دے توکل دل میں میرے اپنے اے خداوند کریم — شاہ محمد خواجگی جل الا کے واسطے

کیجیو دنیا میں نہ مجھ کو کبھی اندوہگیں — آں محمد باقی باللہ با لقا کے واسطے

غیر کا محتاج مت کر اپنے بن میرے اللہ — آں مجدد صاحب بدر دجا کے واسطے

جب نزع کا وقت ہو کلمہ ترا ہو بر زباں — حضرت معصوم خواجہ کبریا کے واسطے

شر شیطاں سے مجھے اس وقت میں لینا بچا — شیخ سیف الدین عاشق مصطفیٰ کے واسطے

فضل اپنے سے مجھے سکرات سے لینا بچا — آں محمد عابد خواجہ پیشوا کے واسطے

فضل سے تیرے الٰہی گور ہو روشن مری — شاہ محمد محسن کشف الدجا کے واسطے

ہو نہ سختی گور کی اور نہ فرشتے کا خلل — سید نور محمد خوش لقا کے واسطے

پلصراط اوپر چلوں جس دم گذر آساں ہو — خواجہ مرزا جان جاناں ما کے واسطے

دے امن جس وقت یا رب تیز ہو سورج ہا تمام — آں غلام شہ علی شمس الضحیٰ کے واسطے

پلۂ میزان نیکی یا الٰہی ہو گراں — بو سعید رہنما اصفیا کے واسطے

کچھ خلل اس دم نہ ہووے آفرینندۂ جہاں — آں محمد با شریف جاں فدا کے واسطے

عاشقوں میں ہو گذر میرا خداوند کریم — حاجی محمود حافظ دلکشا کے واسطے

زیر سایہ پیر کے یارب رہوں روز جزا | خواجہ قادر بخش آن ظلِ ہما کے واسطے
ہے تپ ہجراں سے دل کو درد کر دیجئے دوا | شمس عرفاں سوختہ دل کی دوا کے واسطے
وصل جاں کا رہے ہر دم میرے یارب نصیب | خواجہ کل خواجگان عالی نسب کے واسطے
میں غریب الحال ہوں کر رحم کی یارب نظر | مرشد محبوب شان مصطفےٰ کے واسطے
یعنی میرے قبلۂ جاں خواجۂ عالم پناہ | خواجہ شمس الکونین عبد الخالق پیشوا کے واسطے
کون ہے تیرے سوا میں کس سے درد دل کہوں | ہے تو ہی حاجت روا ہر مدعا کے واسطے
سیکڑوں دشواریوں کا سامنا ہے اے خدا | کر دے آساں اپنی شانِ کبریا کے واسطے
گو برا ہوں پر ترا ہوں میرے عز و جل | تیری رحمت چاہیئے مجھ بے نوا کے واسطے
یاالٰہی کر میری اولاد کو تو با نصیب | انبیاء اولیا جود و عطا کے واسطے
دوست و خویش اقارب کو محبت کر عطا | آل و دینِ نبی مقتدا کے واسطے

اپنے عاصی سائیں عبد الرزاق کی دعا کرے قبول
آن جنابِ شافعِ روزِ جزا کے واسطے

اول آخر ۳ مرتبہ درود شریف الاعظم امروتی
۱۱ مرتبہ
بعدہ ۳ مرتبہ سورہ مزمل